TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222123
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳۳۳ Accession No. ۱۵۲۵۶ 15356

Author آتش

Title لیلیٰ لندلا

This book should be returned on or before the date last marked below.

رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی کا مشہور ناول

کپال کنڈلا

مترجمہ

حضرت آتش

نرائن دت سہگل اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب

لوہاری دروازہ لاہور

بار سوئم

قیمت ایک روپیہ عہ

کپال کنڈلا

پہلا باب

گنگا ساگر

تقریباً ڈھائی سو برس گذرے کہ ایک مسافر تیرتھ یاترا کرنے کے ارادہ سے گنگا ساگر گئے۔ تھے کشتی پر سوار ہو کر گئے تھے۔ اس وقت اس ملک میں پرتگیزوں کا زور تھا۔ یہ لوگ تجارت کرنے آئے تھے مگر رفتہ رفتہ ملک کے کئی حصوں پر قابض ہو گئے۔ بنگال میں ان کی زبردست جماعت دریا میں پھرتی تھی۔ جہاں کہیں اکیلی کشتی نظر آتی اور وہ اس پر جھپٹ پڑتے سب کچھ لوٹ مار کر لے جاتے۔ اس لئے اکثر ملاح کئی کشتیوں کا قافلہ بنا کر چلتے تھے۔ مگر اتفاق کی بات یہ کشتی بالکل اکیلی تھی۔ اور مالک کے آسرے پر چھوڑ دی گئی تھی۔ رات خوب بھیگ گئی تھی۔ دریا کا کُہر بڑھ رہا تھا۔ چاروں طرف ایک سیاہ غلاف سا پڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ملاحوں کو کچھ پتہ نہ چلا کہ کشتی کس طرف جا رہی ہے۔ اندھیرے نے دریا پر ایک گھٹا ٹوپ چادر سی پھیلا دی تھی۔ اور ملاح سو رہے تھے۔ ایک معمر شخص اور ایک نوجوان صرف یہی دو جاگ رہے تھے۔ اور دونوں آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ گفتگو کو روک کر بوڑھے نے ملاح سے پوچھا۔ کیوں ملاح آج کتنی دور جا سکو گے۔ ملاح بولا کہہ نہیں سکتے۔ ملاح کا یہ جواب سن کر بوڑھا بہت گھبرایا۔ نوجوان نے کہا بے فکر لہجہ میں کہا صاحب یہ بات ایشور کے ہاتھ میں ہے۔ اب کچھ کہنے کی بھی لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی۔ کوئی کیا جان سکتا ہے کہ قسمت کیا دکھلائے گی؟ آپ گھبرائیے نہیں۔

بوڑھا تمکنت سے زوردار لہجہ میں بولا۔ "کیا کہا! گھبرائیں نہیں۔ ہم کو بیس پچیس بیگھہ دھان کاٹ لے گئے۔ اب ایک برس تک لڑکے بالے کیا کھائیں گے؟"

یہ بات اس نے گنگا ساگر پہنچنے پر دوسرے یاتریوں سے سنی تھی۔ نوجوان بولا "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کے گھر میں کوئی دوسرا انتظام کرنے والا نہیں ہے۔ اسلئے آپ کو تیرتھ یاترا کرنا مناسب نہیں ہے۔"

بوڑھا پھر غصہ آمیز لہجہ میں بولا "ہم کیسے نہ آتے؟ زندگی کے تین حصے گزر گئے۔ چوتھے حصے میں قدم رکھا ہے۔ اب بھی اگر پرلوک کا خیال نہ کریں تو پھر کب کریں گے؟"

نوجوان نے کہا "لیکن اگر آپ شاستر کو بغور دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ پرلوک کا جو پھل تیرتھ کے درشن سے ملتا ہے وہ گھر بیٹھے بھی مل سکتا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا "پھر تم کیوں آئے؟"
نوجوان نے جواب دیا "میں نے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ مجھے سمندر کی سیر کا نہایت اشتیاق تھا۔ اور میرے آنے کی صرف یہی ایک غرض ہے۔" اسقدر کہنے کے بعد اس نے نہایت ہی ملایم اور شیریں لہجہ میں یہ بھی کہا "آہا! جو کچھ میں نے دیکھا ہے اسے جنم بھر تک کبھی نہ بھولوں گا۔" ؎

سیر دریا کا تماشہ دیکھئے ٭ دل کو اپنے سیر سے خوش کیجئے
کثرت ہے دخار موجیں بیحساب ٭ ہر جگہ گرداب کے ہیں پیچ و تاب

بوڑھا کسی اور ہی خیال میں محو تھا۔ اسکے کان اس شاعری کی طرف نہیں تھے۔ بلکہ وہ بغور ملاحوں کی بات چیت سن رہا تھا۔ ایک ملاح دوسرے سے کہہ رہا تھا "بھائی کام بگڑ گیا۔ ہم لوگ ندی کی دھارے باہر نکل آئے۔ اب سمندر کے کس حصے میں ہیں۔ اور کہاں جا رہے ہیں۔ اس کا ذرا بھی علم نہیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" کہنے والے کے لہجہ سے دلی خوف ظاہر ہو رہا تھا۔ بوڑھے نے سوچا کوئی نہ کوئی آفت سر پر آگئی۔ پھر ملاح کی طرف مخاطب ہوکر حیرت انگیز لہجہ میں بولا "کیوں! کیا ہوا؟" ملاح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر نوجوان جواب کا انتظار کئے بغیر باہر آگیا۔ اسوقت صبح کے دو ایک مدہم تارے پانی میں مسکراتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا تھوڑی دیر بعد روشنی کا ظہور ہوگا۔ اور تمام عالم تجلی ریز ہو جائے گا۔ کہر سے پانی [illegible] کہر چھائی ہوئی تھی اور بغور دیکھنے پر اسمیں تارے جھلملاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ نوجوان نے بھی کنارا جو دیکھنا چاہا تو معلوم ہو گیا۔

نہیں معلوم کہ کشتی کا رخ کس جانب ہے؟ ایسا نہ ہو کہ سمندر کے کسی گہرے حصے میں آ جائیں۔ اور مفت میں اپنی جان کھو دیں۔ اس وجہ سے اسکا دل بھی خوف کے اتھاہ ساگر میں اس کشتی کی طرح جو تغیر باد و باراں سے ہو ہچکولے کھانے لگا۔

برف اور پالے سے بچنے کے لئے سامنے پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ اس وجہ سے کشتی کے آدمیوں کو باہر کی حالت کا ذرا بھی علم نہ ہوتا تھا۔ نوجوان دم کے دم میں اصل حال جان گیا۔ اور بوڑھے کو اس خوفناک حالت کی خبر سنائی۔ اب تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک شور سا مچ گیا۔ کشتی میں عورتیں بھی تھیں۔ ان میں سے کئی جاگ اٹھیں۔ خوف سے تھر تھر کانپتی ہوئیں رونے چلانے لگیں۔ بوڑھے نے کہا۔ کشتی کو کنارے لے چلو۔ اور اتر پڑو۔" نوجوان نے ہنسکر کہا" اگر یہی معلوم ہوتا کہ کنارہ کہاں ہے۔ تو اس مصیبت میں جان بوجھ کر کون پڑتا؟"

یہ آخری الفاظ سنکر تمام یاتریوں کے دل میں ایک خوف آمیز ہلچل مچ گئی۔ اور وہ شور مچانے لگے۔ نوجوان نے کسی طرح ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر خاموش کیا۔ اور ملاحوں سے کہا" گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا دیر میں صبح ہونے کو ہی ہے۔ سورج نکل آیا۔ تو پھر کشتی ڈوبنے سے یقیناً بچ جائیگی۔ کشتی کا کھینا موقوف کر دو۔ اسے دھارے کے حوالا کر دو۔ دھار جہاں چاہے وہاں لیجائے سورج نکلنے پر غور کیا جائیگا۔ ملاحوں کو بھی یہ رائے پسند آگئی۔

بہت دیر تک ملاح رکے رہے۔ یاتریوں کی جان میں جان نہیں تھی۔ نسیم سحری اٹھلاتی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ لہروں کے جھکولوں میں بھی اب زور نہیں تھا۔ وہ بھی مستانہ ادا سے چل رہے تھے۔ یاتری چپ چاپ درگا جی کا نام جپنے لگے۔ اور عورتیں باآواز بلند دیوتا منانے لگیں۔ کشتی میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس نے اپنے مردہ لڑکے کی لاش سمندر کے حوالا کر دی تھی۔ وہ بیشک نہیں روئی۔ باقی عورتوں کی آنکھوں سے جھما جھم آنسوؤں کا مینہہ برس رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے ایک پہر دن چڑھ آیا۔ ملاح اپنے پانچ پیروں کی زور شور سے عقیدت آمیز لہجہ میں منتیں کرنے لگے۔ عورتوں نے گھبرا کر کہا" پھر کیا ہوا"؟ ملاحوں نے بآواز بلند شور و غل مچاتے ہوئے کہا" سورج نکلا۔ ایک پہر دن چڑھ آیا جہاں ہماری کشتی آن کر پہنچی ہے۔ وہ ساگر نہیں بلکہ کسی دریا کا دہانہ ہے۔ ندی کا پھیلاؤ خوفناک ہے۔ دور تک کہیں کنارہ نظر نہیں آتا۔ جدھر دیکھئے

آسمان بھی آسمان دکھائی دے رہا ہے۔ پانی کا بھی عجیب رنگت ہے۔ بالخصوص اس گنگا کا پانی کچھوے کی پیٹھ کے ملے جلے رنگ کی طرح گدلا ہے۔ اس سے دور سمندر کا پانی بالکل نیلا ہے۔ کشتی والوں کو خیال تھا کہ ہم سب لوگ گہرے سمندر میں آ پہنچے۔ مگر خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ زمین کا ایک ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر وہ سمندر کا مغربی ساحل معلوم ہوا۔ یہ دیکھ کر طبیعت کو کسی قدر اطمینان ہوا۔ جہاں جب یہاں آئی دھارا میں بندھی کشتی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ندی کے گرتے ہوئے پانی کا پتہ ملا۔ اور سنگم کے داہنے کنارے ریتلی زمین پر بیشمار پرند محو رقص تھے۔ یہ نظارہ نہایت اچھا دلکش اور عجیب وغریب تھا۔ یہی ندی آجکل رسول پور کی ندی کہلاتی ہے۔

دوسرا باب

ریتلا ٹیلا

دوپہر کے بعد یاتریوں کی جان میں جان آئی۔ ملاحوں نے کہا جوار کے آنے میں دیر ہے۔ اس عرصہ میں آپ لوگ ریت پر کھانا پکا لیں۔ سب یاتری کچھ جوش کے ساتھ منتظر رہیں گے۔ تب کشتی لے چلیں گے۔ یاتریوں میں سے بہت سے لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے۔ اس لئے سب کو یہ بات پسند آئی۔ کشتی کنارے لگا دی گئی۔ سب اتر پڑے۔ نہا دھو کر پوجا پاٹھ کرنے کے بعد پھر کھانا پکانے کی فکر ہوئی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ کشتی میں لکڑی نہیں تھی جنگل میں شیر اور ریچھ کا خوف تھا۔ کوئی شخص راضی نہیں ہوا کہ وہاں سے سوکھی لکڑی کاٹ لائے۔ تب بوڑھے نے نوجوان شخص سے کہا "بابو نوکمار! اگر تم لکڑی کا انتظام نہیں کرتے تو یہ سب بے موت ہی مر جائیں گے۔"

نوکمار نے ذرا تامل کے بعد دلیرانہ لہجہ میں کہا بہتر ہے! کوئی شخص میرے ساتھ کلہاڑی لے کر چلے۔ مگر سب گھبراتے تھے۔ کسی نے ساتھ جانا منظور نہ کیا۔ وہ سب یہی کہتے۔ جب وقت پر دیکھا جائیگا۔ مجبوراً نوکمار نے کلہاڑی لے کر تن تنہا جنگل کا راستہ لیا وہ

ساحل کی ریتیلی پہاڑی پر چڑھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی بستی کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا۔ جگہ بڑی خوفناک تھی۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل دکھائی دیتا تھا۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت تھے۔ صرف کہیں کہیں ایسی جگہ تھی۔ جو درختوں سے خالی تھی۔ مگر یہ درخت ایسے نہیں تھے۔ جن سے لکڑی کاٹی جاتی۔ ملاحوں کی منت سماجت سے دل دہل رہے تھے۔ نوکمار ایندھن کی تلاش میں آگے بڑھا۔ آخر اسے ایک خشک درخت دکھائی دیا۔ اس میں سے ضرورت کے موافق لکڑی کاٹ لی۔ اور بوجھ باندھ کر اٹھا لیا۔ بیچارے نے کاہے کو کبھی ایسا کام کیا تھا۔ لکڑی کا بوجھ اٹھا کر چلنے میں اسے بہت تکلیف محسوس ہوئی۔ کا ہے دوسروں کے آرام کے خیال سے گرتے پڑتے اُٹھتے بیٹھتے چلتے رہنا اسے آگے بڑھنا ہی ہوا۔ دل اور درد مند طبیعتیں دوسروں کی تکالیف کے خیال سے کیا کیا دکھ نہیں اٹھاتیں۔ ایسے لوگوں کی ذاتی تکلیف و آرام کی طرف توجہ ہی نہیں جاتی۔

نوکمار جیسے شخص کے لئے سر پر بوجھ لے کر چلنا آسان کام نہیں تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے جا رہا تھا۔ ادھر ساتھ والے بے چین ہو رہے تھے۔ کچھ دیر انتظار کر کے جب ان کی صورت نظر نہیں آئی۔ تو سمجھے کہ شیر وغیرہ کھا گیا۔ مگر کسی کی ہمت نے تقاضا نہیں کیا کہ دو چار قدم آگے جا کر ان کی تلاش کرتے۔

وہ ابھی جیسے تیسے ملے تھے کہ سمندر میں جوش و خروش سے لہریں اٹھنے لگیں۔ ملاحوں نے سمجھ لیا جوار آ گیا۔ ایسے وقت میں اکثر کنارے کی زمین کھسک کر پانی میں مل جاتی ہے۔ اور کشتیوں کے ٹوٹنے کا خوف رہتا ہے۔ مجبوراً کشتی پانی کی دھار میں کھینچ لے گئے۔ [illegible] ریتیلے ٹیلے کا کچھ حصہ غرقاب ہو گیا۔ یاتری بڑی مشکل سے کشتی پر سوار ہوئے۔ جو کچھ کھانے پینے کا سامان [illegible] کے [illegible] میں پانی [illegible] کی ناس [illegible] ملاح کچھ بہت تجربہ کار نہیں تھے۔ کشتی کا سنبھالنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ جوں توں کر کے کسی طرح کشتی کو رسولپور کی ندی میں کھینے لگے۔ ایک شخص کی زبان سے نکلا "نوکمار تو رہ گئے" ملاح نے ترشروئی سے جواب دیا "ارے نوکمار۔ تمہارے [illegible] سے تو شیر کھا گیا!"

کشتی پانی کی سطح پر ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے بڑی دقت سے اس کو سنبھال رکھا۔ مگر ناگہاں کا خدشہ تھا۔ سردی جوبن پر تھی۔ ہوا سن سن چل رہی تھی۔ تاہم ان کی پریشانیوں پر پانی آگیا۔ اور کشتی تیزی سے پانی کی دھار میں ہچکولے کھاتی ہوئی بہ نکلی۔ پانی کی تیزی رو اور بہاؤ نے اسے دھار کے بیچ میں ڈال دیا۔ سب کا ارادہ تھا۔ کہ جوار کا رو رک جائے تو پھر کنارے پر آکر نوکمار کا انتظار کریں۔ مگر سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ دو ایک روز کے بعد دیکھتے سب کے دلوں میں اس کا خیال محو ہو گیا۔ نوکمار تو صرف یاتریوں کا ہمسایہ تھا۔ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار کشتی پر نہیں تھا۔ اس کے سوا یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے انتظار میں رات ہو جائے گی۔ اور پھر دوسرے دن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ کون کسی کی خبر لیتا ہے۔ آگ سی لگ رہی تھی۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ سب نے اپنے دل کو سمجھانے کے لئے مان لیا کہ نوکمار کو شیر کھا گیا۔ اب اس کا واپس آنا صرف خواب و خیال ہے۔

یاتریوں نے نوکمار کو چھوڑ کر اپنے چلنے میں اپنا خیریت سمجھی۔ اور اسی دانست میں نوکمار کو زندگی موت کے بیچ میں چھوڑ گئے۔

یہاں اگر کوئی اس واقعہ کو سن کر یہ ارادہ کرے کہ ایسے نازک وقت میں جو کو کھانا بنانے کے لئے کوئی شخص جنگل سے لکڑی لانے کا قصد کرے تو لوگ اس کو قابل نفرت تصور کریں گے۔ جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ اور دوسروں کی مدد کرنا جن کی زندگیوں کا قاعدہ ہو گیا ہے۔ وہ کب اپنی عادت چھوڑنے والے ہیں۔ لاکھوں تکلیفیں ہوں۔ ہزاروں پریشانیاں آئیں نیک کام کرنے والے ہمیشہ نیک ہی کام کریں گے۔ جو ان کو باز رکھنا چاہے گا۔ وہ اسے بزدل کمینہ اور خود غرض سمجھ کر برا خیال کریں گے۔

تیسرا باب

سنسان جنگل

جس جگہ نوکمار کو چھوڑ کر یاتری چلے گئے وہاں اس وقت دولت پور اور دریاپور نالی دو چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ لیکن جس زمانہ کا ہم تذکرہ کرتے ہیں اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی۔ مگر جس طرح بنگال کی زمین زرخیز ہے وہ ویسی نہیں ہے۔ سول پور کے دہانہ سے سوبرن تک کئی میل کی وسعت میں پھیلا ہوا ریتلا میدان ہے۔ اگر ذرا اونچا ہوتا۔ تو اسے پہاڑی کہنا نامناسب نہ ہوتا۔ اس وقت لوگ اسے ریتی کہتے ہیں۔ جگہ نہایت دلفریب ہے۔ اس ریتی کی چوٹی پر دوپہر کی سورج کی کرنیں دور سے پریوں کی طرح ناچتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس پر اونچے درخت پیدا نہیں ہوتے۔ ٹیلوں کے ادھر اُدھر چھوٹے چھوٹے خاردار کنٹیلے درخت اُگ گئے ہیں۔ لیکن اس کا درمیانی حصّہ بالکل صاف ستھری زمین ہے۔ اس پر درخت کا نام و نشان نہیں۔ آس پاس زمین پر پھیلنے والی جھاڑیاں جھاؤ اور جنگلی پھولوں کے درخت اس رونق کو دوبالا کرتے رہتے ہیں۔

نوکمار اسی جگہ لکڑی کاٹنے کے لئے آیا تھا۔ لکڑی کا بوجھ لئے ہوئے جب وہ ندی کے کنارے پہنچا تو وہاں نقل اور بیڑہ کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اس وقت اس کا دل خوف سے مغلوب ہو گیا۔ تاہم اُسے یقین نہ تھا کہ ساتھی اس طرح بیمروتی سے چھوڑ کر چلے گئے ہونگے اس نے سوچا جوار کے پانی سے لبریز ہو جانے کی وجہ سے ملاح کشتی کو کہیں اور لیگئے ہونگے کیا عجب وہ جلد اسکی تلاش میں پھر وہاں آئیں۔ اس امید میں وہ بیچارہ وہاں بیٹھا بیٹھا راہ دیکھتا رہا۔ لیکن نہ کشتی آئی اور نہ کوئی ملاح ہی نظر آیا۔ نوکمار بھوک سے بہت بیچین تھا۔

"الانتظار اشدّ من الموت" مشہور ہے۔ بے بسی سے وہ کنارے گھومنے لگا۔ کشتی کا کہیں پتہ نہ ملا۔ جب کشتی نہ آئی تو وہ سوچنے لگا۔ کہ شاید جوار کشتی کو بہا لے گیا۔ اور اس کی واپسی میں ابھی دیر ہے۔ لیکن جب جوار کا زور گھٹ گیا۔ اس نے سوچا کہ مخالف دھار کی وجہ سے کشتی کے آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ بھاٹا کیوقت وہ ضرور لوٹ کر واپس آئیگی۔ مگر آہستہ آہستہ بھاٹا بھی رفت گذشت ہو گیا۔ دن ڈھل چلا۔ شام ہو گئی اگر کشتی لوٹنے کو ہوتی۔ تو اب تک لوٹ آتی۔

تب نوکمار کو یقین ہو گیا۔ کہ یا تو کشتی جوار کیوقت ڈوب گئی اور یا اس کے ساتھی اسے جنگل میں چھوڑ کر چلے گئے۔ نوکمار نے دیکھا نہ کہیں گاؤں ہے نہ بستی۔ آدمی نہ آدم زاد۔ کھانا نہیں۔ پینے کے لئے پانی بھی نہیں ندی کا پانی بہت کھارا ہے۔ بھوک پیاس بہت ستا رہی تھی۔ سردی خوب زوروں پر تھی۔ اس سے بچنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ سر پر کپڑا تک نہیں۔ کہ اس سردی کیوقت ندی کے کنارے اور برف برسانے والے آسمان کے نیچے اس طرح بے بسی سے پڑا رہنا ہو گا۔ ان کو شیر اور ریچھوں کا خوف ہے۔ اب مرنے میں کیا کسر باقی رہ گئی؟ دل کی اضطرابی بڑھتی گئی۔ نوکمار ایک جگہ بہت دیر تک نہ بیٹھ سکا۔ کنارہ چھوڑ کر ادہر ادہر گھومنے لگا۔ آہستہ آہستہ تاریکی چھا گئی۔ آسمان پر تارے چمکنے لگے۔ نوکمار کی طبیعت قدرتاً نہایت ہی متحمل واقع ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے گاؤں میں بڑی رونق رہتی تھی۔ اپنی رنگینی اور لطافت سے آج اس غیر آباد جگہ کی رونق بڑھانے لگے۔ چاروں طرف وحشتناک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہُو کا عالم تھا۔ کبھی جانور کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ ہاں اگر کوئی صدا کانوں میں آتی تھی تو سمندر کی لہروں کی آپس میں ٹکرانے کی اور جنگلی جانوروں کی ہیبتناک آواز! یہ آوازیں خیالات کے قدم میں زنجیر گرانبار کا کام کرتی۔ اور مایوسی کو اور بھی بڑھاتی تھیں۔

تاہم وہ برابر ریت پر گھومتا ہی رہا۔ کبھی نیچے کبھی اوپر کبھی قدم آہستہ بڑھتا تھا۔ کبھی تیزی سے چلنے میں قدم قدم پر کیڑے مکوڑوں کے دبنے اور کچل جانے کا خوف تھا۔ مگر ایک جگہ بیٹھے رہنے میں بھی جان کا خطرہ تھا۔

گھومتے گھومتے نوکمار تھک کر چور ہو گیا۔ دن میں دانہ پانی نصیب نہیں ہوا تھا۔ ماندگی بڑھ گئی مجبور ریتی پر بیٹھ گیا۔ قوت متخیلہ نے گھر کے عالیشان مکان کی یاد دلائی کچھ دیر تک اسی پر سرور خواب کے مزے لیتا رہا۔ جب جسمانی اور روحانی تکلیف بڑھ جاتی ہے تو کبھی کبھی خود بخود نیند آجایا کرتی ہے نوکمار سو گیا اگر نیند اس طرح نہ آیا کرتی تو خبر نہیں دُنیا کا کیا حال ہوتا؟

چوتھا باب

ریت کی چوٹی پر

رات زیادہ بھیگنے پر نوکمار کی نیند اچٹ گئی۔ ابھی تک شیر نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا وہ سخت متعجب تھا۔ تاریکی بدستور سیاہ چادر اوڑھے تھی۔ یکایک اُسے دور پر کچھ روشنی دکھائی دینے لگی۔ آنکھیں اس روشنی کی طرف رجوع ہو گئیں۔ اور وہ روشنی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آگ کی روشنی ہے یقیناً یہ آگ کسی آدمی نے ہی روشن کی ہوگی۔ اس خیال سے جان میں جان آئی اور پھر زندگی کی امید ہوئی۔ نوکمار اٹھا اور روشنی کی طرف قدم بڑھاتا ہوا تیزی سے چلا۔ یکایک دل میں خیال آیا کہ اس روشنی کا باعث کوئی اور شے ہی نہ ہو۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا زندگی کی امید میں انسان خود بخود خطروں کے منہ میں جا کر گرا کرتا ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ بےخوف ہو کر روشنی کی سمت چلا۔ جھاڑیوں درختوں اور کثرت سے ٹیلوں کو روندتا ہوا بڑھا جاتا تھا۔ ایسے موقعوں پر انسان کے دل میں ایک خاص قسم کی تیزی آجاتی ہے وہ رکاوٹوں کی پرواہ کمتر کرتا ہے۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے پر معلوم ہوا کہ ریت کا اونچا ٹیلا ہے۔ اس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔ اور کوئی آدمی بت کی طرح وہاں بیٹھا ہوا ہے نوکمار ٹیلے پر چڑھنے لگا طرح طرح کے خیالی اوہام دامنگیر ہوئے۔ مگر بےخوفی سے چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہاں بت کی حالت

دیکھ کر وہ ٹھٹکے کھڑے ہو گئے۔ ٹھہروں یا چلا جاؤں۔ اس کا تصفیہ کرنا مشکل تھا۔ قوت فیصلہ نے جواب دے دیا۔

چوکی پر بیٹھا ہوا آدمی آنکھیں بند کئے ہوئے دھیان میں محو تھا۔ نوکمار اُسے پہلے نہ دیکھ سکا تھا۔ اب اس پر نظر پڑ گئی۔ اسکی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ جسم پر کوئی کپڑا ہے یا نہیں اسکی وہ تمیز نہ کر سکا۔ کمر شیر کی کھال سے بندھی تھی گلے میں رودراکش کی مالا پڑی تھی۔ لمبی لمبی جٹائیں منہ پر بھبوت ملی ہوئی لکڑی اسکے سامنے جل رہی تھی۔ اور اسی آگ کی روشنی اس کو وہاں لائی تھی۔ منظر خوفناک تھا۔ بدبو آ رہی تھی نوکمار اس کا سبب جان گیا جٹا دھاری آدمی انسان کی ایک سٹری گلی لاش پر بیٹھا ہوا منتر پڑھ رہا تھا۔ سامنے ہی مردے کی کھوپڑی رکھی تھی۔ اور اس کی رودراکش کی مالائیں مردے کی ہڈیوں کے ٹکڑے جا بجا گتھے ہوئے تھے کھوپڑی میں سُرخ رنگ کا پانی نظر آیا۔ پانی نہیں تھا۔ یہ خون تھا۔ خوف کی وجہ سے اسکے پاؤں زمین میں گڑ گئے۔ پاؤں میں جیسے کسی نے بیڑیاں ڈال دیں۔ تھوڑی دیر تک وہ نہیں وہ حرکت کھڑا رہا نہ آگے بڑھ سکا نہ پیچھے ہٹ سکا۔ اس نے اگھوریوں کے قصے سن رکھے تھے۔ یقین ہو گیا کہ یہ شخص اگھوری ہے۔ اگھوریوں کا ہی دوسرا نام کپالک ہے۔ کپال سر کی کھوپڑی کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ میں مُردہ انسان کی کھوپڑی ہو وہ اگھوری یا کپالی کہلاتا ہے

کپالی دھیان میں تھا۔ جپ یا پاٹ کر رہا تھا۔ آنکھ کھلنے پر نوکمار کو دیکھا۔ پوچھا کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ برہمن ہوں۔ کپالی نے کہا ٹھہرو۔ یہ ٹھہر گیا۔ سوال و جواب سنسکرت زبان میں ہوئے۔

کھڑے کھڑے آدھ گھنٹہ گذر گیا۔ کپالی اُٹھا۔ بولا نہ یہ ہی بھگتی بھیروی کو راضی کرنا ہے۔ ساتھ چلو۔

نوکمار اس کے ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ تھوڑی دور پر ایک پھوس کا جھونپڑا نظر آیا کپالی اس میں داخل ہوا۔ اور نوکمار کو اندر آنے کا حکم دیا۔ یہ اندر چلا گیا۔ کپالی نے معلوم نہیں کس ترکیب سے آگ جلا کر روشنی کی۔ کہ تمام جھونپڑا جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ اس روشنی میں نوکمار نے دیکھا کہ زمین پر شیر کی کھال بچھی ہے۔ اور

ایک پانی کا گھڑا رکھا ہے۔

کپالی بولا "پھل پھول اور جڑی کھاؤ پتوں کا دونا بنا کر پانی پیو۔ اور اس شیر کی کھال پر لیٹ کر آرام سے سو جاؤ۔ بےخوفی سے آرام کرو۔ شیر نہ آئے گا۔ میں وقت پر تم سے خود آکر ملوں گا۔ بغیر مجھ سے ملے ہوئے کہیں نہ جانا۔

یہ کہہ کر کپالی تو چلا گیا۔ نوکمار کھانے پینے کے بعد باگھمبر پر لیٹ گیا۔ تکان سے تمام بدن چور چور ہو رہا تھا۔ نیند آگئی اور چپ چاپ پڑ کر سو رہا۔

پانچواں باب

سمندر کا کنارہ

صبح ہوئی نوکمار اُٹھا۔ گھر چلنے کی خواہش ہوئی۔ کپالی کا انتظار کرنا فضول سمجھا۔ مگر مشکل تو یہ تھی۔ کہ اس خوفناک اور گھنے جنگل سے باہر کیونکر نکلے۔ کپالی کو راستہ کی خبر ہے۔ مگر کیا وہ پوچھنے سے بتا دیگا؟ اب تک اس نے اس سے اس قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔ کپالی نے جھونپڑا چھوڑنے کو منع کیا تھا۔ ممکن ہے چلے جانے پر اسکو غصہ آئے۔ نوکمار جانتا تھا۔ کہ کپالی سخت ہیبت ناک عمل کرتے ہیں۔ ان کو منتر کی سدھی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی بات نہ ماننا مناسب نہیں ہے یہ سب باتیں سوچ سمجھ کر کچھ دیر تک وہاں ہی ٹھہر رہا۔

آہستہ آہستہ دن چڑھ آیا۔ پہلے بھی اس کو غذا نہیں ملی تھی۔ آج زور کی بھوک ستانے لگی۔ جھونپڑے میں جو پھول پھل تھے۔ اس نے رات کے سب کھا لئے تھے۔ اگر اب کچھ کھانے کو نہ ملا تو تکلیف ہوگی۔ غریب تین پہر تک اسی سوچ فکر میں رہا۔ اب دن تھوڑا رہ گیا ہے کھانے کی تلاش کرنا ضروری ہے۔ وہ پھل کی تلاش میں باہر نکلا۔ اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ دو ایک پھلدار درخت ملے انکے پھل توڑ کر کھائے۔ بادام جیسی لذت تھی۔ پیٹ بھر گیا۔ اشتہا جاتی رہی سیری ہوگئی۔

دیکھا ریت کا پھیلاؤ صرف تھوڑی ہی دور تک ہے۔ اس کے پار ہو گیا۔ پھر جنگل ملا۔ اسمیں داخل ہوا۔ آدمی کے پاؤں تک کے نشان کہیں نہیں تھے۔ راستہ بھول گیا۔ اور پھر یہ خیال بھی نہیں آیا کہ کدھر سے آیا ہے اور کس طرف جا رہا ہے پانی کی لہروں کی آواز سنائی دی سمجھ گیا۔ سمندر کا کنارہ قریب ہے جنگل سے باہر نکلا۔ موجیں مارتا اور لہراتا ہوا سمندر دکھائی دیا۔ نیلگوں آسمان چاروں طرف دکھائی دے رہا تھا۔ دل بھر آیا۔ اور مایوس ہو کر ریت پر بیٹھ گیا۔ جدھر نظر جاتی تھی سمندر کی سطح پر جھاگ ہی جھاگ دکھائی دیتی تھی۔ لہریں زور شور سے ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور انکے درمیان جھاگ کی سفید سی تیلی مالا کے دانے ابھرے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ نہایت ہی عجیب و غریب نظارہ تھا۔ عقل حیران ہے کوئی کیونکر اس دلکش نظارہ کا نقشہ کھینچے۔

سورج غروب ہونے پر آیا۔ آسمان پر شفق کی سرخی دوڑ گئی۔ اس کا عکس پانی میں ایسا دلفریب معلوم ہوتا تھا جیسے آگ میں تپا ہوا سونا اپنی سرخ رنگت دکھاتا ہے۔ اسی طرح سمندر کے پانی کا رنگ ہو رہا تھا۔ دور اوڈیسہ یورپ کے کسی سوداگر کا جہاز سمندر کی چھاتی پر چلتا ہوا بڑے ناز و انداز اور ایک عجیب شان کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ سمندر کا یہ عجیب و غریب نظارہ وہ کب تک دیکھتا رہا نہیں کہا جا سکتا۔ پھر تاریکی چھا گئی۔ تب نوکمار کو جھونپڑی کی یاد آ گئی۔ اور وہاں جانے کا خیال آیا۔ یہ خیال آتے ہی ایک لمبا اور گہرا سانس لیا اور اس سانس کے ساتھ جذبات زور دار امنڈ آئے ایسا کیوں ہوا؟ کون کہہ سکتا ہے۔ حسرت و درد کے ساتھ پیچھے کی طرف پھرا۔ راستہ میں ایک ایسی نرالی اور دلکش مورتی نظر آئی۔ جو اپنی مستانہ چال سے بے ساختہ دل کھینچ لیتی تھی۔ ایک نوخیز لڑکی سمندر کے کنارے کھڑی تھی سر کے بال بکھرے ہوئے دونوں شانوں پر لہرا رہے تھے۔ بدن پر زیورات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ سادگی کی ایک مجسم تصویر تھی۔ کاغذ کی سطح پر تصویر کی طرح نہایت خوشنما و دلفریب معلوم ہوتی تھی۔ ایسا گمان ہوتا تھا جیسے سمندر کے کنارے چاند کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا تھا۔ اور اسکی روشنی ہر چہار طرف بکھر رہی ہے بڑی بڑی چمکدار آنکھیں جنمیں چاندنی کا امرت کا رس بھرا ہوا تھا۔ گیا چاند کی کوئی کرن حسن مجسم بنکر سمندر کے کنارے کھیلنے آئی تھی۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ مگر اس اندھیرے میں بھی وہ نور حسن سے جگمگ۔

جگمگ کر رہی تھی۔ اور چہرہ دمک رہا تھا۔ ان نگاہوں میں کچھ ایسی قوّت جاذبہ تھی جو روح کو رگوں سے کھینچ رہی تھی۔ کومدی (چاندنی) جیسا رنگ اور وہ چاند سے اسکی روشنی کا عکس لے رہی ہے۔ تمام کیوقت سمندر کے کنارے ایسا نظارہ دیکھ کر کوئی کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ ایسا سرور بخش سماں دیکھکر دل مست و بیخود ہو جاتا ہے۔ حیرت نے اُسے بےحس و حرکت بنا دیا۔ طاقت گویائی جاتی رہی۔ بخیرہ نگاہوں سے بار بار اسے دیکھنے لگا۔ زندہ موہنی بھی نوکمار کو دیکھ رہی تھی مگر فرق صرف اسقدر تھا کہ نوکمار کی نگاہوں میں ایک خاص چمک تھی۔ مگر اسکی نگاہوں میں اس چمک دمک کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ بلکہ اس کا کچھ اور ہی حال تھا سنسان سمندر کے کنارے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے کچھ دیر تک خموشی سے کھڑے رہے۔ نوکمار کی یارائے گفتگو جیسے کچھ سلب ہو گئی تھی۔ نگاہیں ایک دوسرے کو تیر کی طرح چھیدتی تھیں۔ موہنی کی زبان سے نہایت ہی سُریلی اور دلکش لہجہ میں یہ آواز سنائی دی۔ مسافر! کیا تم راہ بھول گئے ہو؟

یہ آواز تھی۔ یا کسی ساز بجانے والے مشاق سازندہ کی انگلی کی مضراب تھی جسکے چھیڑنے سے اسکے دل کے تار کا ایک ایک تار خوش آئند صداؤں میں گونجنے لگا۔ دل کے تار کبھی کبھی بے سُرے ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ مگر اس آواز کی مضراب نے تاروں کو باہم گرہم آہنگ بنا لیا۔ جب سب تار مل جاتے ہیں۔ تب ہی سُریلی آواز نکلتی ہے۔ اور وہ گونجنے لگتی ہے۔ نوکمار نے اپنے اندر ایسے سُریلے نغمہ کی دھن سنی کہ جسم کی رگ رگ میں جذبات سرور کی ایک نہایت ہی پُر لطف لہر سی دوڑ گئی۔ وہ متوالا ہو گیا۔

"مسافر! کیا تم راہ بھول گئے ہو؟" نوکمار نے یہ سوال سُنا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ کوئی مناسب جواب اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ آواز مسرت کی گونج سے کانپتی اور لہراتی ہوئی نکلی تھی۔ وہ کہیں سے نکلی۔ کہیں گونجنے لگی اور اسکی آواز بازگشت کی صدا میں نوکمار کے تن بدن اور سر کے گنبد بلکہ عضو عضو میں محیط ہو گئیں۔ ان کی حد یہاں ہی ختم نہیں تھی۔ درختوں کا ایک ایک پتہ فرط مسرت اور باجہ کی طرح بجنے لگی وہی الاپ الاپنے لگے۔ سمندر کی مستانہ لہریں ہزارہا زبانوں سے نغمہ مسرت گانے لگیں۔ زمین و آسمان

دونوں اس خوش آیند اور خوش گلو نغمے سے مسرور ہو گئے۔ اور چاروں طرف وہی پُر سرور آواز گونجنے لگی۔ مورتی خوبصورت اور دلکش تھی۔ اس کی سُریلی آواز اور بھی خوبصورت و دلکش تھی۔ اور نوکمار کے جسم کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی ہوئی وہ سر سے پاؤں تک گونج گئی۔ بدن کے ایک ایک عضو میں حسرت اور اشتیاق کا جذبہ بھرا اثر دوڑ گیا۔

جواب نہ پا کر اس نے کہا "آؤ" زمین پر قدم پڑتے ہیں یا نہیں۔ جس طرح آسمان پر ستارے چمکتے ہوئے بلا کسی شور و غل کے چپ چاپ پورب سے پچھم کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح نوکمار اس کے پاس گیا۔ اور وہ چل کھڑی ہوئی۔ آگے آگے وہ پیچھے پیچھے یہ نور کے ساتھ جس طرح سایہ قدم بقدم بغیر کسی قسم کی آواز دیئے ہوئے چلتا ہے اسی طرح یہ اسکے پیچھے پیچھے چلا۔ جنگل کے اندر سے گذرتا تھا جنگل کے اندر داخل ہوتے ہی وہ مورتی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ اور سامنے ایک جھونپڑا دکھائی دیا۔

چھٹا باب

کاپالک کا سنگ

نوکمار نے جھونپڑے اندر پہنچکر دروازہ بند کر لیا۔ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سر جھکائے ہوئے دیر تک سوچتا رہا۔ یہ مورتی واقعی کوئی عورت ہے یا کپالی کی مایا ہے۔

خیال کی محویت عجیب ہوتی ہے نوکمار اسقدر اپنی دھن میں مست تھا۔ کہ اس نے اور کسی شے کو نہیں دیکھا۔ جھونپڑے میں لکڑی جل رہی تھی۔ رات زیادہ گذر گئی تھی۔ اسے خیال آیا کہ سندھیا نہیں کی ہے پانی کی تلاش ہوئی وہ یہ نہ جان سکا کہ یہاں آگ کس نے اور کیوں جلائی ہے صرف آگ ہی روشن نہیں ہے بلکہ چاول کے ساتھ اور کئی پکی ہوئی چیزیں موجود ہیں۔ نوکمار کو خوف نہیں ہوا۔ اس نے سمجھا کہ یہ کام کپالی نے کئے ہیں خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔

سندھیا سے فارغ ہونے کے بعد مٹی کے برتن میں کھانا کھایا۔

دوسرے دن شیر کی کھال سے اُٹھتے ہی پھر سمندر کی طرف چل نکلا۔ آج جلدی کنارے پہنچا۔ کہ شاید وہ مایا پھر نظر آجائے یہ امید کچھ اس طرح مضبوطی کے ساتھ دل میں قائم ہو گئی۔ کہ اس جگہ کا چھوڑنا مشکل معلوم ہوا۔ مگر دیر تک کوئی نہیں آیا۔ امید انتظار اور تلاش سب بے سود ثابت ہوئے۔ تب وہ پھر اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ گھوم پھر کر لوٹ آیا۔ ناامید ہو کر پھر جھونپڑے میں واپس آیا۔ کپالی چپ چاپ آسن جما کر بیٹھا ہوا تھا۔ نوکمار نے اس سے کچھ پوچھا۔ مگر کپالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نوکمار نے پھر سوال کیا "اب تک مجھے کیوں آپ کا کیوں درشن نہیں ہوا تھا؟ کپالی نے کہا "میں اپنے شغل میں مصروف تھا۔

نوکمار نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ میں راہ سے بے راہ اور گمراہ ہو گیا ہوں۔ راہ کی خبر نہیں ہے میں اس امید میں ٹھہرا ہوں کہ آپ مجھے راہ بتائیں گے۔

کپالی نے کہا میرے ساتھ آؤ۔ وہ اُٹھا۔ شاید کپالی کوئی تدبیر بتا دے۔

آگے آگے کپالی اور پیچھے پیچھے چلا۔ اتفاقاً کسی کا ملایم ہاتھ نوکمار کی پیٹھ پر پڑا۔ اس نے حیرت زدہ ہو کر پیچھے کی طرف تحیرانہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہی پہلے دن والی مورتی بن دیوی کی شکل میں پھر آج اپنے منہ پر اُنگلی رکھے ہوئے دکھائی دی۔ یہ کیسی دلفریب شکل تھی۔ نوکمار نے دیکھا کہ وہ مجھے بولنے سے منع کر رہی ہے۔ اس لئے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ کپالی تو آگے کی طرف بڑھا۔ اسکو پیچھے کی کچھ خبر نہیں تھی۔ مورتی نے نوکمار سے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ مت جاؤ۔ واپس چلو۔ بھاگ نکلو۔ یہ کہہ کر وہ پھر غائب ہو گئی۔ نوکمار نہ تو کچھ جواب دے سکا اور نہ کچھ پوچھنے کی جرأت ہی کر سکا۔ وہ کہاں گئی؟ کیسے گئی۔ اور کیا ہو گئی؟ اسکو کسی بات کا بھی علم نہیں ہوا۔ سوچنے لگا یہ کس کی مایا ہے؟ کہیں مجھ کو بھرم تو نہیں ہوا۔ میں نے سُن رکھا ہے۔ کہ تانترک کپالی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر کیا بھاگ جاؤں۔ اور کیوں بھاگوں؟ اس دن بچ گیا۔ آج بھی بچ جاؤں گا۔ کپالی انسان ہے تو میں بھی انسان ہوں۔

وہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ کپالی اس کو اپنے پیچھے قدم بقدم آتے ہوئے نہ دیکھ کر لوٹ آیا

تحکمانہ آواز سے بولا "کیوں دیر کر رہے ہو؟" اور نوکمار بغیر کوئی جواب دیئے ہوئے اس کے قدم بقدم چلنے لگا۔

کچھ دور پر ایک کٹی دکھائی دی جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ وہ کٹی بھی کہی جا سکتی تھی۔ اور چھوٹا سا مکان بھی لیکن اس سے ہم کو چنداں بحث نہیں ہے۔ اس مختصر مکان کے کنارے کپالی نوکمار کو اس طرف لے چلا جہاں بلیدان دیا جاتا ہے۔ لیکن اسی وقت تیر کی طرح سنسناتی ہوئی تیزی کے ساتھ وہی زندہ مورتی پھر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور جھک کر نوکمار کے کان میں کہہ گئی "اب بھی بھاگ جاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے؟ بغیر انسان کے گوشت کے یہ تانترک اپنی پوجا نہیں کرتے۔" فرطِ حیرت سے نوکمار کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ بدقسمتی سے کپالی نے اس زندہ مورتی کی آواز سن لی۔ اور حیرت آمیز لہجہ میں بولا "کپال کنڈلا! یہ کیا حرکت ہے؟"

نوکمار کے کانوں میں بادل کی گرج کی طرح یہ آواز سنائی دی۔ مگر اس مورتی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ نوکمار کو معلوم ہو گیا کہ اس کا نام کپال کنڈلا ہے۔

کپالی نے نوکمار کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسکے تمام جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ رگ رگ میں سنسناہٹ پیدا ہونے لگی۔ جوانی میں طاقت اور تیزی آگئی۔ اس نے کہا "ہاتھ چھوڑ دو۔" مگر کپالی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس نے پوچھا "مجھے کہاں لئے جاتے ہو؟"

کپالی بولا "پوجا کے استھان پر۔"

نوکمار نے پوچھا "کیوں؟"

اس نے جواب دیا "بلی دینے کے لئے۔"

اتنا سننا تھا کہ نوکمار کے ہوش کے طوطے اڑ گئے۔ سب حواس جاتے رہے۔ زور سے ہاتھ کھینچا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اس کے ہاتھ کو کبھی نہ پکڑ سکتا۔ مگر کپالی کا پنجہ فولاد کی طرح سخت اور مضبوط تھا۔ اس نے اسے پکڑے رکھا۔ نوکمار کو اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ اس نے سوچا اس کے سامنے زور نہیں چلے گا۔ حکمتِ عملی سے بچنا چاہئے۔ اور دیکھے وہ حکمتِ عملی کیا ہوتی ہے؟"

مندر کی (بلیدان) کی جگہ پر پہنچکر نوکمار نے دیکھا کہ آگ روشن ہے۔ لکڑیوں کا ایک

زبردست انبار جل رہا ہے اور اس کے چاروں طرف تانترک پوجا کا سامان موجود ہے لیکن اگر کسی چیز کی کمی ہے۔ تو وہ صرف پشو (بلی دینے والا جانور) نہیں ہے۔ اور وہ تو پشو بنایا جائے گا۔ اسی کا بلیدان کیا جائیگا۔

وہاں خشک رسیاں پڑی تھیں کپالی نے نوکمار کے ہاتھ خوب مضبوطی سے جکڑ کر باندھ دیئے۔ چاہتا تھا کہ زور لگا کر اپنے آپ کو رسیاں تڑا کر آزاد کرے مگر بے بس تھا۔ کپالی کے جسم میں ہاتھی کی طاقت تھی۔ اُسنے نوکمار سے کہا "نادان! زور کیا دکھاتا ہے۔ تیرا جسم سپھل ہوگیا۔ بھیروی کی پوجا میں تیرے ماس کا پنڈ دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے؟ تو بڑا خوش قسمت انسان ہے۔

کپالی نے نوکمار کو باندھ کر ریت پر چھوڑ دیا۔ اور آپ اس کے بل دینے کی فکر میں ہوا۔ نوکمار رسیاں توڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ رسی بہت مضبوط تھی۔ گرہیں سخت تھیں۔ ان کا ٹوٹنا مشکل تھا۔ بیچارے نے سمجھ لیا موت سر پر آگئی۔ ایشور کو یاد کرنے لگا۔ وطن کی یاد الگ ستانے لگی۔ گھروالوں کی محبت کا خیال پھر دل میں جوش زن ہوا۔ حسرت دیاس سے آنسوؤں کی چند بوندیں آنکھوں سے نکل پڑیں کپالی پوجا ختم کرکے تلوار لینے کے لئے اٹھا۔ جہاں تلوار رکھی ہوئی تھی۔ وہاں نہیں ملی۔ وہ جی میں ڈرا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ کہ تلوار یہاں ہی رکھی ہوئی تھی۔ کون اُٹھالے گیا۔ یا وہ کیا ہوگئی؟ وہ اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگا۔ اور کپال کنڈلا، کہکر پکارنے لگے۔ مگر کپال کنڈلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کپالی کی آنکھیں انگارہ کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ ابرو کمان کی طرح کھنچ گئے تھے۔ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا وہ جھونپڑے کی طرف روانہ ہوا۔ اس اثنا میں نوکمار نے پھر رسیاں توڑانے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر وہ نہ توڑ سکیں۔

ملایم اور دبے پاؤں کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی۔ سر اُٹھا کر دیکھا۔ تو وہی موہنی دیوی کی شکل نظر دکھائی دی۔ اسوقت اسکے ہاتھ میں تلوار تھی۔ کپال کنڈلا نے کہا "چپ رہو۔ بولو مت تلوار میرے پاس ہے۔ میں ہی چرا لیگئی تھی۔ تاکہ تم قتل نہ کئے جاؤ۔"

یہ کہکر اس نے اُسی تلوار سے نوکمار کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں دم کے دم میں کاٹ دیں۔ نوکمار

آزاد ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کپال کنڈلا نے کہا "بھاگو میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ میں راستہ دکھاؤں گی"۔

کپال کنڈلا آگے آگے نوکمار پیچھے پیچھے دونو بگٹٹ بھاگے۔ یہ جا وہ جا۔ دم کے دم میں وہاں سے غائب ہو گئے۔

ساتواں باب

کپالی

کپالی نے گھر میں کونے کونے ڈھونڈا مگر تلوار نہ ملی۔ کپال کنڈلا بھی وہاں نہیں تھی۔ وہ شک میں پڑا ہوا ریت کی طرف واپس آیا۔ نوکمار کو غائب پایا۔ نہایت متعجب ہوا۔ رسیوں کی طرف نظر ڈالی سمجھ گیا کسی نے رسیوں کے پھندے کاٹ کر آزاد کر دیا۔ اور اس کی تلاش میں دوڑا۔ مگر اس گھنے جنگل میں کیسے پتہ لگتا کہ کون کس راستہ سے گیا ہے۔ اسکا معلوم کرنا آسان تو نہیں تھا۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہر چہار طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی گھٹا ٹوپ تاریکی میں کون کس کو دیکھ سکتا ہے؟ پھر آوازکے سہارے وہ چلنے لگا۔ مگر آواز بھی کچھ اسطرح کی تھی۔ جو بھاگنے والے کا پتہ دینے کے ناقابل تھی۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ تلاش کرتے کرتے ریت کے ٹیلے پر چڑھا۔ اسکی چوٹی پر آیا۔ پانی برسنے کی وجہ سے زمین تر ہو گئی تھی۔ قدم کے نیچے کی ریت کھسک گئی۔ اڈارادہم کرتے ہوئے ٹیلے کی چوٹی سے نیچے آگیا۔ اور منہ کے بل گر پڑا۔

آٹھواں باب

پناہ

اماوس کی اندھیری کالی رات میں وہ آدمی دوڑ کر جنگل میں گھس گئے۔ مجبوراً سوائے اسکے کہ کپال کنڈلا کے پیچھے پیچھے چلتا اور وہ کیا کرسکتا تھا؟ اس نے دل میں سوچا یہ بھی قسمت کی بات ہے اور اگر اسی ایک بات پر انسان کا پختہ عقیدہ رہتا تو شاید دنیا کے مصائب اس کو اس قدر مضطرب نہ بنا سکتے۔ سخت سے سخت تکالیف میں بھی فلسفہ تقدیر ہمیشہ تسکین دیتا ہے۔ اندھیری رات تھی۔ آسمان کے ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کے چراغ کی دھندلی روشنی بھی ماند ہو چلی تھی۔ ان کی مدھم روشنی میں صرف ریت کے کسی قدر ٹیلے نظر آتے تھے۔ ان کے سوائے اور سب پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

دو پہر رات گذر گئی۔ کپال کنڈلا اسکو ایک معمولی مندر کے قریب لائی۔ مندر کے پاس اینٹوں کا ایک مکان تھا۔ اسکے پاس پہنچکر کپال کنڈلا نے تالیاں بجائیں کسی نے اندر سے پوچھا "کون" جواب دیا گیا کپال کنڈلا تم دروازہ کھول دو"

سوال کرنے والے نے دروازہ کھولا۔ وہ اسی مندر کا پجاری تھا۔ تخمیناً پچاس برس کی عمر ہوگی۔ اسکے کان میں جھک کر کپال کنڈلا نے دو چار باتیں کہیں۔ پجاری دیر تک سوچتا رہا۔ آخر بولا "سخت مشکل ہے۔ مہاراج کپالی جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ خیر بھگوتی کی دیا سے تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔"

کپال کنڈلا "تم کہاں آبیٹھے۔ اندر آیئے۔ آ جایئے۔" نوکمار ایک گوشے میں کھڑا تھا۔ آیا پجاری نے اسکو گھر کے اندر لے جاکر کہا۔ "آج یہاں پڑے رہو۔ کل تم کو میدنی پور کا راستہ دکھلا دوں گا۔"

بات چیت کر کے پجاری تاڑ گیا۔ کہ نوکمار بھوکا ہے۔ کچھ کھانے کی چیزیں لایا۔ مگر نوکمار نے خواہش نہیں ظاہر کی بیچارہ غربت زدہ نوکمار زمین پر لیٹ گیا۔ کپال کنڈلا نے سمندر

کے کنارے جانیکی خواہش ظاہر کی پجاری نے کہا "ابھی نہ جاؤ۔ ذرا ٹھہرو۔ تم سے کچھ کہنا ہے"

کپال کنڈلا ۔ "کیا؟"

پجاری ۔ "جانے سے تمہاری جان کی خیریت نہیں ہے"

کپال کنڈلا " یہ میں جانتی ہوں"

پجاری " پھر کیوں پوچھتی ہو؟"

کپال کنڈلا " اگر وہاں نہ جاؤں گی۔ تو کہاں جاؤں؟"

پجاری ۔ اس مسافر کے ساتھ اپنے وطن کو چلی جاؤ گی

کپال کنڈلا چپ ہو رہی۔

پجاری " بیٹی تم کیا سوچتی ہو؟"

کپال کنڈلا " جب تمہارا چیلا آیا تھا۔ تو تم نے کہا تھا۔ جوان مرد کے ساتھ جوان عورت کو نہ جانا چاہیئے۔ آج کیوں اس طرح کہتے ہو؟"

پجاری " اس وقت تمہاری زندگی خطرہ میں نہ تھی۔ کچھ اور حالت تھی۔ اب اور طرح کی حالت ہے۔ اچھا ذرا بھگوتی ماتا سے رائے لے لیں" یہ کہہ کر ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے پجاری دیوی کے مندر میں گیا۔ دروازہ کھولا۔ کالی کی خوفناک مورتی کو سلام کیا۔ پھول پتے پڑھائے چاول منتر پڑھے اور مورتی کو بغور دیکھنے لگا۔ ذرا دیر بعد کپال کنڈلا سے کہا "بیٹی دیکھو دیوی نے ارگھ لے لیا ہے بیل پتہ نہیں گرا۔ جانے میں ہی خیریت ہے تم بخوشی اس مسافر کے ساتھ جاؤ۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔ اگر تم اس طرح جاؤ گی تو اس پر ایک بار ثابت ہوگی۔ وہ برادری میں مطعون و شرمسار کیا جائے گا۔ اور تم سے بھی سب لوگ نفرت کرینگے۔ تم نے کہا تھا مسافر برہمن ہے گلے میں جنیؤ ہے۔ اگر اس کے ساتھ تمہارا بیاہ ہو جائے تب تو خیریت ہے۔ لیکن اگر وہ یہ نہ پسند کرے تو مجھے تمہیں اسکے ساتھ بھیجنے میں بہر صورت انکار ہوگا"

کپال کنڈلا ۔ (آہستہ اور ہنستے لہجہ میں) "بیاہ ۔ بیاہ کا نام تو میں نے سنا ہے۔ یہ ہوتا کیا ہے۔ یہ میں نہیں جانتی کیا کرنا ہوگا؟"

پجاری کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ عورت کا مرد کے ساتھ رہنا بیواہ ہے۔ جگدیا بھگوتی بھی شیو بھگوان کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہی بیواہ ہے۔

پجاری نے اپنے دل میں سمجھا۔ میں نے کپال کنڈلا کو خوب سمجھا دیا۔ اس نے بھی سمجھا "میں خوب سمجھ گئی۔ بولی ایسا ہی ہو۔ مگر میں ان کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ انہوں نے اتنے دنوں تک مجھے پالا ہے۔"

پجاری بولا "مگر اس پالنے کی غرض کیا ہے وہ تم خود نہیں جانتی ہو"۔

پجاری نے سمجھایا کہ تانترک اپنی پوجا کے وقت اس قسم کا سلوک عورتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر کپال کنڈلا نے ذرا بھی نہیں سمجھا۔ دل پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی "اچھا۔ بیواہ کرنے پر راضی ہوں"۔

تب وہ مندر سے باہر آئے کپال کنڈلا کو کمرہ میں بٹھا کر پجاری نوکمار کے پاس آیا۔ پوچھا کیوں "کیا آپ سو رہے ہیں؟"

نوکمار نے جواب دیا۔ "جی نہیں"۔

پجاری نے کہا "میں آپ سے ایک خاص معاملہ میں رائے لینے آیا ہوں۔ کیا آپ برہمن ہیں؟"

نوکمار "جی ہاں"۔

پجاری "کون برہمن؟"

نوکمار "راڑھیا"۔

پجاری "میں بھی راڑھیا برہمن ہوں۔ بالکل برہمن نہ سمجھئے گا کُل اچاری ہوں۔ اور اس وقت بھگوتی مائی کا پجاری ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

نوکمار "نوکمار شرما"۔

پجاری "وطن"۔

نوکمار "سپت گرام"۔

پجاری "کس گاؤں میں گھر ہے؟"

نوکمار۔ "دندھیہ گھائی"

پجاری۔ "کیا شادی ہوگئی ہے؟"

نوکمار۔ "صرف ایک شادی کی ہے!"

نوکمار نے اپنے تمام حالات کھول کر نہیں سنائے۔ اصل میں اس کی ایک بیوی بھی نہیں تھی۔ اسکی رام گوبند گھوشال کی لڑکی کے ساتھ شادی تو ضرور ہو چکی تھی۔ مگر وہ باپ کے گھر رہتی تھی۔ کبھی کبھی یہ سسرال چلا جایا کرتا تھا۔ جب وہ لڑکی تیرہ برس کی ہوئی۔ باپ سب کو لیکر جگن ناتھ جی چلا گیا۔ راستہ میں اکبر بادشاہ کی فوج اڑیسہ پر عمل دخل کر کے چلی آرہی تھی۔ مغل اور پٹھانوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی۔ پٹھانوں نے رام گوبند سے چھیڑ چھاڑ کی۔ اس کے منہ سے چند ناشائستہ الفاظ نکل پڑے۔ پھر کیا تھا۔ سب کو زبردستی مسلمان بنا لیا۔ رام گوبند گھر ضرور واپس آئے۔ مگر مسلمان ہونے سے برادری نے اُن کو خارج کر دیا۔ یہ سبب ہے کہ نوکمار کی اپنی بیوی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ رام گوبند کو ذلت کی حالت میں رہنا پسند نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان چلے گئے۔ بڑا عہدہ پایا۔ شاہی محل میں رہنے لگے۔ نام تک بدل ڈالا۔ پھر کسی کو اس بات کا پتہ تک نہ لگا۔ کہ نوکمار کے سسر اور اس کی بیوی کا کیا حال ہوا۔ اس وجہ سے اس کی ایک بیوی بھی نہ تھی۔

پجاری اس بات کو نہیں جانتا تھا۔ اُس نے سوچا۔ دو شادیاں کرنے میں ہرج ہی کیا ہے۔ پوچھا "جس لڑکی نے آپ کی جان بچائی ہے۔ کیا آپ اس کے ساتھ شادی کرنا پسند کریں گے؟ وہ جس کپالی مہاتما کے آشرم میں رہتی ہے۔ وہ بہت خوفناک ہے۔ جو آپ کا حال ہوا تھا۔ وہی اسکا بھی کسی وقت ہوگا۔ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر آپ کی سمجھ میں آتی ہے۔"

نوکمار نے کہا "آپ سب جانتے ہیں۔ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔ آپ جو کہیں گے۔ میں اس پر دل و جان سے عمل کرونگا۔ اگر اس لڑکی کی جان میری جان دینے سے بچ سکتی ہے۔ تو مجھے قطعی تامل دریغ نہ ہوگا"

پجاری بولا "تم پاگل ہو۔ بھلا جان دینے سے کیا فائدہ۔ تمہاری بھی جان جائے گی۔ اور اس کی بھی۔ اور ان کا غصہ کم نہ ہوگا۔ ہاں ایک تدبیر ہے"

نوکمار نے بے ساختہ کہا "وہ کیا؟"

پجاری :- آپ یہ نہیں جانتے وہ کون ہے کس کی لڑکی ہے۔ کس خاندان سے ہے۔ اسکے حالات کیا ہیں؟ کیا آپ اس کے ساتھ شادی کرلیں گے؟"

نوکمار :- کیا میرے ساتھ نہیں جاسکتی ؟

پجاری :- آپ یہ نہیں جانتے وہ کون ہے کس کی لڑکی ہے۔ کس خاندان سے ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں؟ کیا آپ اسکے ساتھ شادی کرلیں گے۔ یا اسے ساتھ لیجا کر اپنے گھر پر رکھ سکیں گے؟ ایسا نہ ہو کہ اُسے گھر سے نکال دیں۔ تو پھر غریب کہیں کی بھی نہ رہے گی"

نوکمار نے کچھ دیر تک دل میں سوچکر احسانمندانہ لہجے میں کہا۔ جس نے میری جان بچائی ہے میں اسکے لئے بڑی قربانی کرنے میں نہ جھجکونگا"

پجاری :- لیکن جب کوئی پوچھیگا کہ کس کی عورت ہے۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟

نوکمار :- آپ جو بتادیجئے۔ وہ کہدیا کرونگا!

پجاری :- راستہ میں جوان مرد اور جوان عورت کا ایک ساتھ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میں اسکو آپ کے ساتھ تنہا نہیں بھیج سکتا!"

نواں باب

شادی ہوگئی

صبح کے وقت پجاری آیا۔ معلوم ہوا نوکمار کو نیند نہیں آئی۔ پوچھا کیا کرنا چاہتے ہو؟

نوکمار :- آج سے کپال کنڈلا میری بیوی ہے۔ اگر اسکے لئے مجھے سب کچھ چھوڑنا پڑے تو میں راضی ہوں۔ کنیادان کون دیگا؟"

پجاری خوش ہوگیا۔ آج جگدمبا کی مراد اور کپالک کی آفت ٹل گئی۔ اس نے کہا کنیادان میں دونگا!

یہ کہہ کر وہ خوابگاہ میں گیا۔ بانس کے چونگے سے کئی تاڑ کے پتے نکالے۔ انکو دیکھ کر کہا گو آج شادی کا دن نہیں ہے۔ مگر شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گودھری کے لگن میں میں کنیا دان دونگا۔ تم اتنا کرو۔ آج برت رکھو۔ یہاں میں تمکو ایک دن چھپا رکھونگا اگر وہ آج آ بھی گئے۔ تو تمہارا پتہ نہ پا سکیں گے۔ شادی کے بعد تم یہاں سے چلے جانا"

نوکما راضی ہوگیا۔ شام کے وقت یہاں تک ممکن تھا۔ شاستر کے موافق ان کا بیاہ کر دیا گیا۔

کپال جھارج کا کچھ حال نہیں ملا۔ تینوں آدمی سفر کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت کپال کنڈلا کالی کے مندر میں گئی۔ پھول پتر چڑھائے۔ اور دونوں ہاتھ پکڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں بھگتی کا دریا جوش زن تھا۔ نگاہیں دیوی کی مورتی پر تھیں۔ حسن اتفاق بیل پتر نیچے گر پڑا۔ وہ گھبرائی خوف سے پجاری کے پاس گئی۔ اور سب حال کہہ سنایا۔ پجاری نے کہا اب تمہارا دھرم صرف پتی کی سیوا کرنا ہے۔ اگر وہ شمشان کو جاوے تو تمہیں بھی جانا چاہیئے۔ کوئی فکر نہ کرو۔ اب چپ چاپ یہاں سے چلدو"

تینوں روانہ ہوئے۔ جب دن چڑھ آیا تب میدنی پور کے راستہ کا پتہ ملا۔ یہاں پجاری اُن سے رخصت ہوا۔ کپال کنڈلا رونے لگی۔ جس نے میرے ساتھ آجتک ہمدردی کا برتاؤ کیا ہے کون جانے وہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔ کپال کنڈلا کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دیکھکر پجاری کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے آنسوؤں کے سیلاب نے ضبط کا باندھ توڑ دیا۔ بھرائی ہوئی آواز سے رقت آمیز لہجے میں بولا۔ بیٹی! تم کچھ فکر نہ کرو۔ دیوی کی کرپا سے تم ہر طرح خوش رہوگی۔ تمہیں کھانے پینے کی کمی نہیں ہے۔ میں نے تمہارے کپڑے میں کچھ باندھ دیا ہے اس سے تمہارا شوہر تمکو ایک پالکی کر دیگا۔ تم گھر پہنچ جاؤ گی مجھے اپنا سیوک سمجھنا یہ کہہ کر پجاری روتے روتے مندر کی طرف روانہ ہوا۔ اور یہ دونوں میدنی پور کی طرف سیدھے چلے گئے۔

دُوسرا حِصّہ

پہلا باب

شارعِ عام

نوکر میدنی پور میں پہنچ گیا۔ پجاری کے دیئے ہوئے روپے سے راستہ میں ایک آدمی اور ہانڈی کو نوکر رکھا۔ پالکی کر دی تاکہ کپال کنڈلا کو راستہ کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ اور وہ عزت آبرو کے ساتھ گھر چلے پہلے دن کے سفر سے وہ بہت تھک گیا تھا۔ پیدل چلنے کی عادت کم تھی۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت کھانا کھا کر اسی طرح چل کھڑا ہوا۔ آہستہ آہستہ شام ہوگئی۔ اور وہ ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔ اندھیری رات اتفاقیہ بادلی برسات بارش بھی کسی قدر ہونے لگی۔ وہ سوچتا تھا کہ کپال کنڈلا کے ساتھ رہے۔ مگر پالکی کے کہاروں کی رفتار کے مطابق وہ کب چل سکتا تھا۔ سوچا سرائے میں مل جائیں گے۔ لیکن دور تک چلنے پر بھی کوئی سرائے نظر نہیں آئی۔ آخر دو تین پہر رات تک وہ برابر قدم بڑھاتے ہوئے چلتا ہی رہا۔ یکایک اسکا پاؤں کسی سخت چیز سے ٹکرا گیا۔ ہاتھ سے اٹھا کر دیکھا۔ تو وہ تختے کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا معلوم ہوا۔ بارش اور تاریکی اور رات کی کوئی چیز صاف نظر نہیں آتی تھی۔ آگے بڑھا پھر اس کا پاؤں ٹکرایا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے پر معلوم ہوا۔ کہ ٹوٹی ہوئی پالکی ہے۔ اب تو وہ کپال کنڈلا کے خیال سے بہت گھبرایا۔ پھر آگے بڑھا۔ پاؤں پھر کسی چیز سے ٹکرایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا ٹھنڈا جسم ہے نبض ٹٹولی۔ وہ مُردہ کی ہوئی تھی۔ جسم شاید بے جان تھا۔ کان کو ہات لگایا۔ آہستہ آہستہ سانس چلنے کی آواز سنائی دی۔ سوچا اگر نبض کی حرکت بند ہے تو پھر سانس کیونکر آرہی

ہے۔ اس کے کہاں درد ہے؟ پھر ناک پر ہاتھ رکھا۔ سانس نہیں چل رہی تھی جب سانس نہیں چلتی تو پھر سانس کی آواز کیسے سنائی دیتی ہے؟ خیال کیا۔ کوئی زندہ آدمی بھی اس جگہ موجود ہے۔ پوچھا "کوئی یہاں ہے؟"

جواب ملا "ہاں ہے۔"

نوکمار "تم کون ہو؟"

جواب "تم کون ہو؟"

عورت کی سی آواز معلوم ہوئی تھی۔ فوراً سوال کیا۔ کیا تم کپال کنڈلا ہو؟"

عورت نے کہا۔ کپال کنڈلا کون ہے؟ میں نہیں جانتی مسافر ہوں۔ ڈاکہ پڑا۔ میرے کانوں کا کنڈل تک ڈاکو چھین لے گئے ہیں فش کنڈلا بن گئی۔"

نوکمار "کیا ہوا؟"

جواب۔ ڈاکوؤں نے میری پالکی توڑ دی۔ کہاروں کو مار ڈالا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ میرا زیور چھین کر مجھے پالکی سے باندھ دیا ہے۔"

نوکمار نے ٹٹول کر دیکھا عورت سچ مچ کپڑے کے ساتھ پالکی سے بندھی ہوئی تھی۔ فوراً اسکی گرہیں کھول کر آزاد کر دیا۔ پوچھا کیا تم اٹھ سکتی ہو؟ عورت نے کراہتے ہوئے کہا مجھے بھی ایک لاٹھی لگی ہے۔ پاؤں میں زور کا درد ہے۔ ممکن ہے۔ سہارا پانے پر میں اٹھ سکوں۔"

نوکمار نے سہارا دیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پوچھا "چل سکتی ہو؟"

عورت نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ خود سوال کر بیٹھی۔ کیا تم نے کسی مسافر کو آتے ہوئے دیکھا ہے؟"

نوکمار "نہیں۔"

عورت "سرائے کتنی دور ہے؟"

نوکمار۔ مجھے کچھ معلوم نہیں شاید نزدیک ہی ہوگی۔"

عورت "افسوس! اکیلے میدان میں بیٹھکر کیا کرو گی۔ آپکے ساتھ سرائے تک چلنا ہی مناسب ہے۔ اگر سہارا ملجائے تو چل سکوں گی۔"

نوکمار "یہ مصیبت کیوقت شرم اور حیا کو بالائے طاق رکھدینا چاہیئے۔ تم میرے کندھے پر ہات رکھکر چلو"

عورت نے ایسا ہی کیا۔ اور دونوں چل کھڑے ہوئے۔ فی الحقیقت سرائے نزدیک تھی۔ وہ زمانہ کچھ اور طرح کا تھا۔ سرائے کے نزدیک اس قسم کے حادثات اکثر ہوا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سرائے میں داخل ہوئے۔ نوکمار نے دیکھا کہ اسی سرائے میں کپال کنڈلا بھی ٹھیری ہوئی ہے۔ خدمتگار اور باندی نے انکے لئے ایک کوٹھڑی ٹھیک کر دی۔ نوکمار نے اس دوسری عورت کے لئے ایک اور کوٹھڑی خالی کرادی۔ بھڑیارے نے چراغ جلایا۔ نورحسن نے چراغ کی روشنی ماند کردی۔ تمام کمرہ جگمگا اٹھا مخمور آنکھوں سے جانسوز حرارت کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ نوکمار نے دیکھا کہ عورت نہایت ہی حسین ہے اور اسکی جسم کی رگ رگ سے لاثانی حسن کا نور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ عورت تھی یا شعلۂ حسن"

دوسرا باب

راستہ میں قیام

اگر یہ کہا جائے کہ مردوں کے لئے یہ عورت ان کی بیوی کی طرح اور دوسری عورتوں کے لئے انکے آئینہ کے عکس کی طرح یہ خوبصورت تھی۔ تو حسن کا بیان ختم ہو جاتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ عورت ہر طرح پر مکمل حسین نہیں تھی۔ یہ بے عیب نہیں تھی۔ قد لمبا تھا۔ اور دوسرے ہونٹ کا حصّہ دبا ہوا تھا۔ رنگ سیاہ فام تھا"

قدم لمبا ضرور تھا۔ مگر ہاتھ پاؤں گورے گورے سڈول اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ برسات کے دنوں میں جس طرح بیل بوٹوں کے پتے لہلہاتے ہیں اسی طرح جوش شباب سے اس کا عضو عضو بھڑکتا تھا۔ جسم کی ساخت نہایت سڈول اور خوبصورت تھی۔ قد کی لمبائی نے اس خوبصورتی کو اور بالا کر دیا تھا۔ اور صرف اسی نظر سے ہم اس کو گوری کہہ

سکتے ہیں۔ کسی عورت کا رنگ چاند کی طرح سفید ہے۔ کسی کا سورج کی سُرخ شعاعوں کی طرح ارغوانی ہے۔ کوئی کمانی کی طرح سفیدی سُرخی مائل ہے۔ کسی کا سیاہ ہے مگر اس سیاہی میں بجلی کی تیلگوں سفیدی رہتی ہے۔ اور اس کو سانولا رنگ کہتے ہیں۔ سانولا رنگ شیام برن ہے شیام سندر کیسا پیارا لفظ ہے۔ شیام سندر کی ماں شیام سندر یہ دونوں لفظ ہندوؤں کی زبان پر رہتے ہیں۔ یہ عورت بھی سانولی گوری تھی۔

مدگوری یا سانولی عورت کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اگر اس سانولے رنگ کے پردہ کے اندر چاند کی نیلگوں رنگت لئے ہوئے سفید رنگ کا نور جھلکتا ہوا نظر آئے تو پھر اُسے کیوں نہ خوبصورت کہنا چاہیئے۔ وہ لوگ نادان ہیں۔ جو اس طرح کے سانولے حسن پر سفید رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس میں نمک زیادہ ہے۔ اس میں برائے نام تپسوی سے تپسوی لوگ جب نوجوان بھورے جیسی کالی عورت کی سیاہی میں سفیدی لئے ہوئے پیشانی کو دیکھتے ہیں۔ تو مدہوش ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں کسی ماہ جبین دیوی کا دھیان آجاتا ہے جس کے ماتھے پر سفید نور کا سُرخ ٹیکہ اس کو بھبھوکا بنا کر بھڑکا دیتا ہے۔ یہ عورت ایسی ہی تھی۔ آنکھیں بہت بڑی نہیں تھیں۔ مگر سیاہ بادلوں کے اندر چھپے ہوئے چھوٹے چاند کی طرح تھیں۔ ان میں اس قسم کا سفید نور تھا۔ کہ اگر کسی پر نظر پڑ جائے تو اسے فوراً یقین آجائے۔ کہ دلوں کے پردوں کو چاک کر کے یہ گھس جاتی ہیں۔ اور تمام اندرونی حالات سے آگاہ ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر اس طرح کا جادو چل جاتا ہے کہ پھر کسی اور طرف دیکھنے کی رغبت نہیں رہتی۔ اور وہ اسی نرگسی نگاہ کا بیمار بن جاتا ہے آنکھوں کی سُرخی۔ سفیدی اور سیاہی تینوں مل ملا کر وقتاً فوقتاً دیکھنے والوں پر خاص قسم کے اثرات ڈال ڈال کر کچھ کا کچھ بناتی رہتی ہیں۔ کبھی سُرخ رنگ دل کی چکاچوندی میں بھر جاتا ہے۔ اور پریم کی ہولی کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔ کبھی سفید رنگ کی تاثیر بجلی کی طرح کڑک کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور پھر سیاہی کیا کرتی ہے؟ سوا اس موہنی صورت کے دیکھنے والے کے لئے تمام دنیا کو سیاہ کر دیتی ہے۔ یہ آنکھیں ہیں یا کیا ہیں؟ کسی گیانی سے پوچھئے تب پتہ چلے کوئی دھیانی ممکن ہے۔ ان کی وضاحت کر سکے۔

اس عورت کی عمر ۲۷ برس کی تھی۔ وہ بھادوں کی لبریز ندی تھی۔ جیسے بھرے بھادوں کی ندی

کی مستانہ لہریں پانی کی سطح پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئیں اُچھلتی کودتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اس کے جوبن کی پھبن اپنا ابھار دکھا دکھا کر دلوں کو گدگداتی رہتی تھی۔ عالم شباب کے نشہ میں چور رہتی۔ اور شرورت کی ندی کی طرح بغیر کسی ہوا کے چنچل تھی۔ اور وہ چنچل پن ہر وقت نئے نئے رنگ بدلتا رہتا تھا۔ نوکمار ایک ٹک تصویر حیرت بنا ہوا اس عجیب و غریب نئے حسن کے نظاروں کو تحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

نوکمار کو حیرت زدہ دیکھکر بول اُٹھی "آپ کیا دیکھتے ہیں؟" میرا حسن؟"

نوکمار بھلا مانس تھا۔ شرما گیا آنکھیں جھک گئیں۔ اور سر نیچے کر لیا۔ اسے لاجواب پاکر عورت نے ایک نہایت ہی دلفریب مسکراہٹ کا جلوہ دکھا کر خود ہی کہا "آپ نے کسی عورت کو نہیں دیکھا ہے۔ یا آپ مجھے بہت خوبصورت سمجھتے ہیں؟"

دوسرے موقع پر اگر یہ بات کہی گئی ہوتی۔ تو اس سے لعنت ملامت کا اظہار ہوتا۔ مگر اسوقت معمولی طعنہ کے سوا اور کچھ اس کے دھیان میں نہ آسکا۔ اس نے جواب دیا میں نے عورتیں دیکھیں ہیں۔ مگر ایسی حسین عورت آجتک نظروں سے نہیں گذری"

عورت نے پرغرور لہجہ میں سوال کیا "کیا ایک بھی نہیں؟"

نوکمار کے دل میں کپال کا حسن چٹکیاں لینے لگا۔ سنبھل کر تمکنت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ ایک بھی نہیں۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا"

عورت "ٹھیک ہے۔ کیا وہ۔ آپ کی بیوی ہے؟"

نوکمار۔ ایسا کیوں کہتی ہو؟"

عورت "بنگالی اپنی عورت کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتے ہیں"

نوکمار۔ میں بنگالی ہوں مگر آپ بھی تو بنگالن کی طرح باتیں کرتی ہیں۔ آپ کس ملک کی رہنے والی ہیں؟"

عورت نے اپنے لباس کی طرف نظر ڈالکر کہا "یہ بدیسی بنگالن نہیں ہے۔ پچھم دیس کی رہنے والی مسلمانی ہے"

نوکمار۔ پہناوا تو مسلمانی ہے۔ مگر زبان تو اسی ملک کی معلوم ہوتی ہے لب و لہجہ

بنگالنوں جیسا ہے۔"
عورت نے ذرا تامّل کے بعد کہا۔ بات بات میں آپ مجھے جان گئے۔ اب یہ فرمایئے جس گھر میں وہ حسین عورت رہتی ہے۔ وہ کہاں ہے؟"
نوکمار: میں سپت گرام کا رہنے والا ہوں۔" عورت نے چراغ کی روشنی کو ذرا تیز کر کے کہا۔ اس لونڈی کا نام "موتی ہے۔" کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟ نوکمار نے کہا "میرا نام نوکمار شرما ہے۔" اتنے میں چراغ بجھ گیا۔

تیسرا باب

سُندری درشن

نوکمار نے بھٹیارے کو بلا کر دوسرا چراغ منگایا۔ کئی لمحوں کا وقفہ ہوا۔ نوکمار نے اُس عورت کو کئی بار لمبی اور گہری سانسیں لیتے ہوئے سُنا۔ چراغ آنے پر وہاں ایک مسلمان آپہنچا مسلمان نے پوچھا "تم لوگوں کو آنے میں دیر کہاں لگی۔ اور سب کہاں ہیں؟"
اس نے جواب دیا "کہار مخمور ہوگئے تھے۔ انکے اکٹھا کرنے میں ہم پالکی سے جُدا ہوگئے تھے۔ جب پہنچے۔ ٹوٹی پالکی کو دیکھکر حواس باختہ ہوگئے۔ کچھ لوگ اسی جگہ ہیں۔ کچھ آپ کی تلاش میں ہیں۔ میں بھی ادھر تلاش میں آنکلا۔"
موتی: "جاؤ ان لوگوں کو لے آؤ۔"
مسلمان سلام کرکے رخصت ہوا۔ موتی نے نوکمار سے پوچھا۔ آپ کس جگہ ٹھہریں گے۔"
نوکمار: "بغل والی کوٹھڑی میں ٹھہرا ہوں۔"
موتی: "میں نے اُس گھر کے پاس پالکی بھی دیکھی ہے۔ کیا آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں؟"
نوکمار۔ میری بیوی ساتھ ہے۔" موتی کو پھر طعنہ آمیز گفتگو کا موقع ملا۔ کہا وہی آپ کی لاثانی بیوی ہے؟"
نوکمار: "مقابلہ کرنے سے پتہ لگیگا۔"

موتی۔ "کیا میں دیکھ سکتی ہوں؟"

نوکمار۔ (سوچکر) "اس میں کوئی ہرج تو نہیں ہے"

موتی۔ "تب مہربانی کیجئے وہ لاثانی حسن مجھے بھی دکھا دیجئے۔ آنکھیں نہایت مشتاق ہیں۔ میں بات چیت کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ابھی نہیں فی الحال آپ جائیے۔ کچھ دیر بعد میں آپکو اطلاع دونگی۔"

نوکمار چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کئی لونڈی خدمتگار مال و اسباب وغیرہ لئے ہوئے وہاں آئے۔ ایک پالکی بھی تھی۔ اس میں ایک لونڈی بیٹھی تھی۔ نوکمار کو خبر دی گئی۔ "بی بی نے یاد کیا ہے۔"

نوکمار موتی بی بی کے پاس گیا۔ دیکھا اب اسکے حسن میں اور بھی نکھار آگیا تھا۔ اور ایک خاص شوخی آ گئی تھی۔ پہلے اسکے جسم پر زیوروں کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ مگر اب وہ بیش قیمت زیورات سے آراستہ تھی۔ اور اس پر مجسم خوبصورتی کا سایہ پڑ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں گلا پیشانی کمر سینہ بازو۔ غرضیکہ عضو عضو مرصع زیورات سے مرصع ہو رہا تھا۔ سونا اس کے بدن کی رنگت کی گرمی سے تپ کر جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ وہ ایک ایسی خوبصورت مورتی کی طرح بن گئی تھی۔ جسکے جسم پر خوبصورت طلائی آنکھوں والے پرچھے ہوں۔ نوکمار کو دیکھکر کہا "مہاشے جی چلئے۔ آپ کی بیوی سے ذرا ملاقات کرا آؤں۔"

نوکمار نے کہا "اس موقع پر اس قدر زیور پہننے کی کیا ضرورت تھی؟ میری استری کے بدن پر تو کوئی زیور نہیں ہے۔"

موتی۔ "زیور دکھانے کے لئے ہی پہنے جاتے ہیں۔ جب ہوتے ہیں۔ تو انکے دکھائے بغیر عورتوں کو چین نہیں آتا۔ اچھا۔ اب چلئے۔"

نوکمار موتی بی بی کو ساتھ لے کر چلا۔ جو لونڈی پالکی پر آئی تھی۔ وہ بھی ساتھ تھی۔ اس کا نام پیش لونی تھا۔"

کپال کنڈلا گھر کی نچلی منزل پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ گردن پر لٹیں پھیلی ہوئی تھیں۔ موتی بی بی نے جب اسے دیکھا۔ تو پہلے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی نمودار ہو

گئی۔ جب چراغ پاس لے جاکر دیکھا تب ہنسی دُور ہو گئی۔ کپال کنڈلا کے حسن نے اِس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی۔ حیرت زدہ رہ گئی۔ کپال کنڈلا کچھ ڈر سی گئی۔

کچھ دیر بعد موتی اپنے زیور اُتارنے لگی اور ایک ایک کر کے کپال کنڈلا کو پہنانے لگی۔ نوکمار نے پوچھا "یہ کیا کر رہی ہو؟" اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

زیور پہنانے کے بعد موتی نوکمار سے مخاطب ہوئی۔ "آپ نے سچ کہا ہے۔ ایسا پھول شاہی چمن میں بھی نہیں کھلتا۔ افسوس یہ ہے کہ گلشن حسن کے اس تازہ اور نو شگفتہ پھول کو دارالسلطنت میں لیجا کر نہیں دکھا سکتی یہ زیور ایسے ہی سڈول جسم کیلئے موزوں ہے۔ اس لئے انکو پہنا دیا ہے۔ تاکہ آپ اِسے پہنے ہوئے دیکھ کر کبھی کبھی اس غیر ملک والی مسلمانی کو یاد کر لیا کریں۔"

نوکمار کو حیرت ہوئی۔ "یہ کیسی بات ہے میں یہ قیمتی زیورات نہیں لے سکتا۔"

موتی "خدا کے دیئے ہوئے میرے پاس اور بھی بہت ہیں۔ میں بغیر زیور کے نہ رہوں گی۔"

جب اِسے پہنا کر مجھکو خوشی ملتی ہے۔ تو آپ اِس خوشی سے مجھے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں؟"

یہ کہہ کر موتی لونڈی کو ساتھ لئے ہوئے چلی گئی۔ لونڈی نے پوچھا "بی بی جان! یہ مرد کون ہے؟"

موتی نے جواب دیا "میرا شوہر ہے۔"

چوتھا باب

پالکی کی سواری

موتی بی بی نے زیور رکھنے کے لئے چاندی سے منڈھا ہوا خوبصورت ہاتھی دانت کا ڈبہ بھیج دیا۔ ڈاکو صرف ضروری سامان و اسباب لوٹ کر لے گئے تھے۔ اس کے سوا اور کسی

کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

نوکمار نے صرف ایک زیور کپال کنڈلا کے جسم پر رہنے دیا۔ باقی ڈبے میں رکھ دیا۔ دوسرے دن موتی بی بی بردوان کی طرف اور نوکمار سپت گرام کی جانب روانہ ہوئے۔ نوکمار نے کپال کنڈلا کو پالکی میں چڑھایا۔ ڈبہ اسکے پاس رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد نوکمار پالکی سے جدا ہو گئے۔ کپال کنڈلا پالکی کا پٹ کھول کر دونوں طرف دیکھنے لگی۔ اور ایک بھکاری بھیک مانگنے کے لئے پالکی کے پاس آیا۔ کپال کنڈلا نے کہا "میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں تمہیں کیا دوں؟"

بھکاری نے اس کے زیور کی طرف انگلی اٹھائی۔ "ماتا! تمہارے جسم پر سیر بھر سونا ہے اور تم کہتی ہو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

کپال کنڈلا نے پوچھا۔ کیا یہ زیور پا کر تم خوش ہو جاؤ گے؟"

بھکاری ذرا سنبھل کر بولا "کیوں نہیں!" کپال کنڈلا نے تمام زیورات معہ ڈبہ کے اس کے حوالے کر دیا۔ جسم پر جو زیور تھا اُسے بھی اتار کر دے دیا۔ بھکاری ایک لمحہ کے لئے خوش ہو گیا۔ نوکر اور خدمتگار کچھ نہ سمجھے۔ بھکاری صرف ایک ہی لمحہ کے لئے خوش ہوا تھا۔ پھر زیور کا ڈبہ اٹھا کر نو دو گیارہ ہو گیا۔ ایک طرف بھاگ نکلا۔ کپال کنڈلا یہ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیوں بھاگا ہے؟"

پانچواں باب

وطن

نوکمار کپال کنڈلا کو لے کر اپنے وطن آیا۔ نوکمار کا باپ نہیں تھا۔ ماں بیوہ تھی۔ دو بہنیں تھیں۔ ایک بیاہی بہن شوہر کے زندہ رہتے ہوئے بھی بیوہ تھی۔ سبب یہ تھا کہ وہ کسی کلین برہمن کی تھی۔ اور صرف دو ایک مرتبہ اس کا ذکر آئے گا۔

نوکمار کے ساتھ شادی کر کے گھر لے آئے تو کس حد تک خوش ہوئے اس کا حال ہم نہیں کہہ سکتے۔ معلوم ہو گیا لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ناراض نہیں ہوئے۔ سب لوگ نوکمار کی طرف سے مایوس ہو

چکے تھے۔ یاتریوں نے شور کر دیا تھا۔ کہ اسکو شیر کھا گیا تھا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ شیر نے ان کے سامنے نوکمار کو پھاڑ ڈالا تھا۔"

جب کبھی میری باتیں کرتے تو کہتے کہ شیر آٹھ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے نہیں جی چودہ ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔" ایک یاتری نے کہا "میں بال بال بچ گیا۔ شیر نے پہلے میرے ہی اوپر حملہ کیا تھا۔ نوکمار اس قدر ہمت والا نہیں تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکا۔

یہ سب باتیں سُنکر ایک کہرام سا مچ گیا۔ ماں بہنیں رونے پیٹنے لگیں۔ اکلوتے بیٹے کی موت کیسی دُکھدائی ہوتی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں۔ ماں قریب مرگ ہو رہی تھی۔ کہ نوکمار واپس آیا۔ اب کون پوچھتا کہ تمہاری بیوی کس قوم کی ہے۔ کس کی لڑکی ہے۔ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ نوکمار کی ماں نے بہو کو عزت کے ساتھ پالکی سے اُتارا۔"

جب نوکمار نے دیکھا کہ کپال کنڈلا سے گھر کے تمام پرانی خوش ہیں۔ تو وہ بھی بہت خوش ہوا۔ وہ کپال کنڈلا پر جان و دل سے عاشق تھے۔ خوف تھا۔ کہ کوئی اس کی بےعزتی نہ کرے۔ اس وجہ سے وہ پہلے شادی کرانے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب وہ خوف بھی جاتا رہا۔ اور سب کے سب خوش ہو گئے۔

محبت چھپانے سے نہیں چھپتی۔ آنکھوں سے طرزِ عمل سے بات چیت سے اس کا اظہار ہو کر رہتا ہے۔ وہ بھی انکی پریم کی دیوانی تھی۔ جب دو دل اس طرح محبت کے پھندوں سے گتھ جائیں۔ تو پھر ان کے سُکھ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ تمام دنیا اُن کی نظر میں خوبصورت جچنے لگی۔ محبت موت کو زندگی بخش دیتی ہے۔ اندھے کی آنکھوں کو روشنی دیتی ہے۔ اور تاریکی کو نور سے بدل دیتی ہے۔"

اب کپال کنڈلا کا کیا حال ہے۔ اُسے بھی سنتے چلئے۔

چھٹا باب

حیرانی

دُنیا مانتی ہے۔ کہ پہلے زمانہ میں سپت گرام نامی گرامی شہر تھا۔ ایک وقت تھا۔ جب وہ تجارت کی منڈی مشہور تھا۔ علاوہ ہندوستان کے شہروں کے قریب کے جزیروں کے جہاز تک اسی غرض سے آیا جایا کرتے تھے۔ مگر گیارہویں صدی میں کچھ ایسا انقلاب آیا۔ کہ اس کی صورت بدل گئی۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ جو ندی سپت گرام کے آس پاس بہتی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ ریت سے بھر گئی۔ اور جہازوں کی آمد و رفت بند ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ پانی جاتا رہا۔ تجارت گھٹ گئی۔ اور اسکے ساتھ شہر کی رونق بہت کچھ جاتی رہی۔ بنگالی گیارہویں صدی میں جب پرتگیزوں کی تجارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہگلی کی ترقی نے اور بھی اسکو پامال کر دیا۔ تاہم اس نے کچھ قدر اور صورت میں اپنے آپ کو قائم رکھا۔ جسوقت کا یہ حال لکھا جا رہا ہے۔ سپت گرام اسوقت تک صوبہ کا صدر مقام تھا۔ اور اس میں فوجدار رہتا تھا۔ مگر بعدازاں شہر چھوٹے چھوٹے سات گاؤں میں منقسم اور مشہور ہوگیا۔ اسی وجہ سے وہ سپت گرام کہلاتا تھا۔

نوکمار کا گھر اسی شہر کے ایک اجڑے ہوئے چھوٹے سے گاؤں میں تھا۔ وہاں پردیسی آدمیوں کی آمد و رفت نہیں تھی۔ شاہراہ بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھی۔ مرمت کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں تھا۔ اسکے گھر کے پیچھے ایک گھنا جنگل بھی تھا۔ جس سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک ندی بہتی تھی۔ مکان اینٹوں کا بنا ہوا بالکل معمولی تھا۔ فرش بھی اتنا اونچا نہیں تھا۔ اس زمانہ میں اونچے فرش بنانیکا رواج تھا۔

اس چھت کے اوپر دو نوجوان عورتیں کھڑی ہوئی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں شام کا وقت تھا۔ موسم نہایت پرلطف خوشگوار تھا۔ ایک طرف خودرو جنگل تھا۔ جس میں ہزاروں قسم کے خوشنما خوشبودار پھول کھل رہے تھے۔ دوسری طرف ایک چھوٹی نہر تھی۔ جو دور سے

روئی کے لمبے رشتے کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ تیسری طرف شہر کے بلند و بالا مکانات۔ ہاٹ حویلیاں وغیرہ نظر آ رہی تھیں۔ چوتھی طرف بھاگیرتی۔ ندی کی چھاتی پر کئی جہاز آہستہ آہستہ پانی اُچھالتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

دونوں عورتوں میں سے ایک گوری ماہ پارہ تھی۔ جس کے لمبے لمبے گیسو بادل کی طرح گھرے ہوئے اُسکے چہرے کی چمک کو ملک چھپا رہے تھے۔ دوسری سانولی تھی۔ اس سانولی کا قد۔ چھوٹا اور آنکھیں بھی چھوٹی تھیں۔ نیلے کمل جیسے ہاتھ پاؤں آنکھیں چمکتی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی اُنگلیاں گورے رنگ والی عورت کپال کنڈلا تھی اور سانولی اس کی نند شیاما سندری تھی۔

شیاما سندری اپنی بھاوج کو کبھی عزت کے ساتھ بہو اور کبھی محبت کے خیال سے بہن اور کبھی حسن کے خیال سے مرنالنی کہا کرتی تھی۔ کپال کنڈلا اچھا نام نہیں تھا۔ گرہستی اس نام کو پسند نہیں کرتے اس لئے اور لوگ اس کو مرن منئی کہا کرتے تھے۔ اور ہم بھی اُسے اب مرن منئی ہی کہیں گے۔

شیاما سندری خوشی کی ترنگ میں آکر گانے لگی:۔

رات آئی آسمان پر چاند روشن ہو گیا۔ شب کدہ میں نور کا کیا تشمین ہو گیا۔ تک رہا ہے دیدۂ اختر سے مجھکو آسمان اس کا چہرہ سینکڑوں آنکھوں کا مخزن ہو گیا۔ تم جو پہلو میں نہ تھے تو مر گئے۔ یہ بات دل جسم تھا کی میرے ارمانوں کا مدفن ہو گیا۔

شیاما۔ (گانا بند کرکے) کیا تو تپسونی ہی بنی رہے گی؟

مرن منئی۔ میں کون سی تپسیا کرتی ہوں؟

شیاما سندری نے دونوں ہاتھوں سے اُسکے بکھرے ہوئے گیسوؤں کو پکڑ کر کہا کیا تو جوڑا بھی نہ باندھے گی؟

مرن منئی ہنسی اور آہستگی سے اپنے لمبے لمبے بال اسکے ہاتھوں سے چھوڑا لئے۔

شیاما۔ اچھا ایک مرتبہ میری خواہش پوری کر دو۔ ایک مرتبہ گرہستی عورتوں کی سہاگن کر دو۔ یوگنی نہ بنی رہو!

مرنا منی:"جب تک اس برہمن کو نہیں دیکھا تھا تب تک یوگنی ہی تھی"
شیاما:"اب نہ رہ سکو گی"
مرن منی:"کیوں؟"
شیاما:"دیکھو گی۔ یوگ بھنگ کر دو نگی۔ جانتی ہو پارس پتھر کسے کہتے ہیں؟"
مرن منی:"نہیں"
شیاما۔ جس پتھر سے چھو جانے پر لوہا سونا ہو جاتا ہے۔ وہ پارس پتھر کہلاتا ہے۔
مرن منی:"اس سے کیا ہوا؟"
شیاما۔ عورتوں کیلئے پارس پتھر ہے۔"
مرن منی:"کون؟"
شیاما:"پرش مرد کی ہوا لگنے سے یوگنی گرہستنی ہو جاتی ہے۔ تو نے پتھر کو چھوا ہے
آگے بیان پڑیگا"
اور وہ پھر گانے لگی:۔

چمپئی قالب میں دل اپنا تھا ہمشکل طلا ✤ آتش الفت کی گرمی پا کے کندن ہو گیا
کیا کہوں پہلے مرا دل بے طرح ویران تھا ✤ گلبدن کے گھر بنا لینے سے گلشن ہو گیا
بے دلی منظور ہم ہرگز نہ کرتے عمر بھر کیا کہیں دلبر وہ دل لیتے میں پر فن ہو گیا

مرن منی:"بہت اچھا۔ میں نے پارس کو چھوا۔ سونا ہو گئی۔ سٹ باند ھے اچھے اچھے
کپڑے پہنے جوڑے میں پھول لگا لیا گلے میں چند ن ہار پہن لیا۔ کانوں میں کرن پھول لٹکا لئے
چندن لگایا۔ پان سے منہ لال لال کر لیا۔ سونے کی پتلی بن گئی۔ دل سے سمجھ لیا۔
سب کچھ ہو گیا۔ پھر اس سے سکھ کیا ملا؟"
شیاما:"اچھا بتاؤ پھول کو کھلنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"
مرن منی:"اوروں کو دیکھنے سے سکھ ملتا ہے۔ پھولوں کو کیا سکھ؟"
شیاما سندری متعجب ہوئی پھول کو کیا سکھ ملتا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ میں پھول
نیکر کھلی نہیں۔ اگر تمہاری طرح کلی بھی ہوتی۔ تو کھلے بغیر نہ رہتی۔ اور سکھی ہوتی"

مرن مئی نہ سمجھ سکی اب شیاما نے پھر کہا "یہ بھی نہ سہی مگر تم یہ بتاؤ تم کو سکھ کس بات میں ملتا ہے ؟"

مرن مئی سوچنے لگی۔ بولی "ٹھیک نہیں کہہ سکتی۔ سمندر کے کنارے کنارے جنگل جنگل گھومنے میں مجھے سکھ ملتا ہے۔ یہ جانتی ہوں"

شیاما ڈر گئی۔ مرن مئی نے اس کی باتوں سے نہ ہمدردی ظاہر کی نہ احسان جتایا۔ وہ آزردہ دل ضرور ہوئی۔ مگر غصہ نہیں آیا۔ اس نے کہا کیا اب پھر واپس جانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے ؟"

مرن مئی "کوئی تدبیر نہیں ہے !"

شیاما "پھر کیا کرو گی ؟"

مرن مئی "پجاری جی کہا کرتے تھے۔ جیسے ایشور کی مرضی ہو گی۔ ویسا ہو گا۔"

شیاما منہ پہ رومال رکھکر ہنسنے لگی "پجاری جی مہاچاریہ مہاشے ہیں ؟"

مرن مئی نے ایک گہری سانس کھینچی۔ جو ایشور نے پیشانی پر لکھا ہے۔ وہی ہو گا۔ اور میں وہی کر دوں گی"

شیاما "قسمت میں کیا لکھا ہے ؟"

مرن مئی "سنو میں دیوی بھگتی کے چرن پر بیل پتر رکھنے کا کام کرتی تھی۔ اگر کام سپھل ہونے کو ہوتا تو بیل پتر گر جاتا تھا۔ جس وقت آشرم سے روانہ ہونے کو تھی۔ صلاح لینے کے لئے میں دیوی کے پاس جایا کرتی تھی۔ جب یہاں آنکو ہوئی۔ مائی بھگوتی کو بیل پتر چڑھا نے گئی۔ مائی نے بیل پتر قبول نہیں کیا۔ میں نہیں جانتی کیا پیدا ہوا ہے ؟"

مرن مئی یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ شیاما اُداس ہو کر اُٹھ بیٹھی ۔ ۔ ۔

صفحہ ۴۰ سے ۴۳ تک بنگالی نظم کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کرنا نہایت مشکل ہے ہندی میں تو ترجمہ ہو بھی سکتا ہے مگر دونوں کا ڈھنگ بنگالی شاعری کے طریقے سے بالکل مختلف ہے اسلئے صرف نفس مراد کو ذہن میں رکھکر خیالات کا اظہار کر دیا گیا ہے ۔ ن ۔ ن

تیسرا حصّہ

پہلا باب

پہلی سرگذشت

جب نوکمار کپال کنڈلا کو ساتھ لیکر سرائے سے چلا گیا۔ اسی وقت موتی بی بی بھی دوسرے راستہ سے بردوان چلی گئی۔ راستے میں اس کا جو حال ہوا اُسے سنیئے۔ موتی میں بھلائیاں اور برائیاں دونوں ہی تھیں تو

جب اسکے باپ نے مسلمانی مذہب اختیار کیا اُسکا نام لطف النساء رکھا اصل میں اسکا نام موتی ہی تھا۔ سیر و سیاحت میں اس نے یونہی اپنا نام موتی رکھ لیا تھا۔ اسکا باپ گھر سے ڈھاکہ میں آکر سرکاری کام پر مامور تھا۔ جہاں ہر قسم اور ہر قوم کے لوگ رہتے تھے۔ ہر شخص کی طبیعت جماعت پسند اور مجلس پسند واقع نہیں ہوتی۔ کچھ عرصہ تک تو وہ وہاں صوبہ دار کے پاس رہا۔ پھر خط و کتابت کر کے اپنے کنبہ کے ساتھ آگرہ چلا آیا۔ آگرہ کے تخت شاہی پر اسوقت اکبر متمکن تھا۔ وہ جنس حسن کا ایک قدردان جوہری تھا۔ اسکی نگاہ اس پر پڑی اور لطف النساء کا باپ خاص امراؤں کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا۔ اس عرصہ میں لطف النساء بھی جوان ہو گئی۔ اسنے آگرہ میں فارسی عربی رقص و سرود وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر لی حسن تو خدا داد تھا۔ مگر جسطرح اُسے دیگر ظاہری علوم سکھائے گئے۔ اسطرح دہرم کی تعلیم نہیں دیگئی تھی۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ کس نے عالم شباب کے جذبات قابو میں کئے ہیں۔ اسمیں طاقت نہیں تھی۔ نفس پر غالب رہنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ دہرم اور ادہرم کا سمجھنا مشکل ہے۔ جدہر اسکی طبیعت مائل ہو جاتی تھی۔ وہ ہی کام کرنے لگ جاتی تھی۔ جب نیکی کی رغبت ہوتی

تو نیکی اور بدی کا خیال آتا تو بدی سے تعلق رکھتی۔ مستانی جوانی کی ترنگ میں جو جو عیوب انسان میں آجاتے ہیں۔ ان سے یہ بھی نہ بچی۔ چونکہ اسکا شوہر ابتک زندہ تھا۔ اسلئے کسی اور کو اسکے ساتھ شادی کرنے کی خواہش نہ ہوتی تھی۔ اور وہ بھی کچھ اتنی شادی کی خواہشمند نہیں تھی۔ وہ دل میں سوچتی تھی۔ کہ تیتری کی طرح ایک پھول سے اُڑ کر دوسرے کی خوشبو لینے سے زیادہ مزہ ہے۔ اس کا یہ ڈھنگ باپ کو پسند نہیں آیا۔ جب لوگوں میں تشبیہہ ہونے لگی۔ تو اس نے اُسے گھر سے نکال دیا۔

لطف النساء کے دام محبت میں جو لوگ پھنسے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک شاہزادہ سلیم بھی تھا۔

اب موقع ہاتھ آیا۔ راجہ مان سنگھ کی بہن شاہزادہ سلیم کو بیاہی ہوئی تھی۔ سلیم نے لطف النساء کو اسکی سہیلی بنایا۔ کہنے کیلئے تو وہ سکھی یا سہیلی تھی۔ مگر اصل میں وہ اسکی کچھ اور بھی تھی۔ لطف النساء خوب جانتی تھی۔ کہ میں ہوشیار اور موقع بین ہوں۔ کسی وقت سلیم کی منظور نظر ہو جاؤنگی۔ یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

سلیم بھی اُسے پہلے بہت چاہتا تھا۔ لطف النساء کو اسکی بیگم بننے کا شوق پیدا ہوا۔ اُسنے دل میں عہد کر لیا۔ کہ میں اسکی عزت کی مستحق ضرور ہونگی۔ مگر درباری ارکین اسبات کے برخلاف تھے۔ لطف النساء دن و رات اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی تھی۔ نہ دن کو چین نہ رات کو نیند آتی تھی۔ دل ہی دل میں اسکی یہ تمنا رات دن مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ اکبر کے خزانچی خواجہ اقتدام الدولہ کی لڑکی مہرالنساء بھی بہت حسین تھی۔ ایک دن خواجہ نے سلیم کی دعوت کی اپنے گھر بلایا۔ مہرالنساء اور سلیم کی دونوں آنکھیں چار ہوئیں۔ اسکے بعد کیا ہوا۔ اور وہ تواریخ جاننے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں شیر افگن نامی ایک پٹھان امرا تھا۔ خزانچی کی لڑکی سے پہلے ہی اسکی نسبت ہو چکی تھی۔ مگر سلیم مہرالنساء کے عشق میں اندھا اور از خود رمیدہ ہو رہا تھا۔ اکبر سے اسکی شادی کی درخواست کی مگر اکبر انصاف پسند تھا۔ اُسے یہ حرکت پسند نہیں آئی۔ لیکن جب لطف النساء نے دیکھا کہ سلیم کی نظر مہرالنساء پر ہے اسکے دل پر ایک ناقابل برداشت چوٹ لگی۔ وہ مایوس ہو گئی۔ عموماً چوٹ کھایا ہوا دل چارہ سازی کیلئے بیتاب ہو کر کسی دوسرے کو اپنا ہمراز بناتا ہے۔ لطف النساء بھی کسی دوسرے کو ڈھونڈنے لگی۔ آخر اُسنے خسرو کی ماں سے اپنا حال کہا۔ اس نے جواب دیا "بادشاہ کی بیگم بننا بیشک

بڑی عزت و افتخار کی بات ہے مگر بادشاہ کی ماں ہونا اور بھی زیادہ ہی بات ہے" لطف النساء نے کہا" یہ کیا مشکل ہے۔ آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے" بیگم نے کہا "کیسے" عقیلا لطف نے جواب دیا سلیم کے لڑکے خسرو کو تخت قابل بنا دیجئے۔ بیگم نے جواب نہیں دیا۔ پھر اس معاملہ میں بات چیت کا موقع ہاتھ نہیں آیا۔ مگر دل ہی دل میں یہ خیال پختہ ہوتا گیا۔ باپ کی بجائے بیٹا تخت پر بیٹھے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ مگر بیگم مہرالنساء سے دل میں کھٹکتی تھی۔ لطف النساء کو بھی حسد تھا حکمت عملی کی چالیں چلی گئیں۔ مہرالنساء کی شادی شیر افگن کے ساتھ کر دی گئی۔ اور سلیم بے اختیار ہو گیا۔ اکبر کے مرتے ہی شیر افگن بھی مارا گیا۔ مہرالنساء سلیم کی بیگم ہو گئی۔ اب تو لطف النساء کی آرزوؤں اور امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گئی۔

اکبر دنیا میں نہایت شاندار بادشاہ گذرا ہے۔ برہم پتر کے کنارے سے ترکستان کی سرحد تک اسکی حکومت تھی۔ اسوقت مہرالنساء نے اپنی عظمت کا سکہ بٹھانے کا مضبوط ارادہ کیا۔

مان سنگھ کی بہن سلیم کی خاص بیگم تھی۔ خسرو اسکا لڑکا تھا۔ ایکدن بیماری کی حالت میں اکبر کے ساتھ کچھ بات چیت ہوئی۔

کیسے ممکن تھا۔ کہ مان سنگھ کی بہن ایک معمولی مسلمانی عورت کے تابع رہے۔ لطف النساء اس خیال میں شریک تھی۔ اور اسکی شرکت غرض سے خالی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مغلوں کی سلطنت کی بنیاد راجپوتوں کی قوت بازو پر قائم ہے۔ مان سنگھ راجپوتوں کا سردار خسرو کا ماما ہے۔ اسکے سوا خان اعظم اکبر کا وزیر خسرو کا خسر ہے۔ کیا یہ دونوں شخص مل ملا کر سلیم پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے تھے۔ اگر یہ چاہتے تو سلیم کبھی تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔ لطف النساء نے بیگم سے کہا "مان سنگھ کو اپنا ہمراز بنا لو۔ خان اعظم اور دوسرے امرا کو شریک کر لو میں انکو اپنے زیر اثر لاؤنگی۔ اور کیا عجب خسرو تخت پر بیٹھ کر اس بد ذات عورت مہرالنساء کو شہر بدر بلکہ خارج البلد کر دے"

بیگم لطف النساء کی سمجھ گئی مگر ہنسکر بولی تم آگرہ میں جس امیر کو پسند کرو اس کے ساتھ تمہاری شادی کرا دی جائے اور میں اسکو پنجہزاری کا منصب دلا دوں گی"

لطف النساء راضی ہو گئی یہی اس کی غرض تھی۔ اگر دارالسلطنت میں وہ اور عورتوں کیطرح کسی کی دست نگر رہی۔ تو پھر شان و آرام کیا ملیگا؟ اگر منصبدار کی بیوی ہو گئی تب ہی کچھ فخر

کی بات ہے۔ لطف النساء صرف اسی غرض سے بیگم کی ہمراز نہیں بنی تھی۔ سلیم اسکو چھوڑ کر مہرالنسا کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اور وہ اس سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔

خان اعظم وغیرہ آگرہ اور دہلی کے امرا لطف النسا کے مخالف تھے۔ خان اعظم ضرور داماد کی حمایت کریگا۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں تھا۔

خان اعظم نے لطف النسا سے کہا: "اچھا لیکن اگر تدبیر سے کام نہ نکلا۔ تو پھر تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہیگی۔ اسلئے ایک راہ اختیار کرنی ہوگی۔"

لطف النسا نے کہا: "آپ کی کیا رائے ہے؟"

خان اعظم نے جواب دیا: "اڑیسہ کے سوا اور کہیں کسی پر نظر نہیں جاتی۔ اس کا اور اسکی فوج کا ہمارے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے۔ تمہارا بھائی اڑیسہ کا منصبدار ہے۔ میں مشہور کردونگا۔ کہ وہ لڑائی میں زخمی ہوگیا۔ تم اسکے دیکھنے کے بہانے اڑیسہ چلی جاؤ۔ اور چالاکی سے کام کرکے واپس آجاؤ۔"

لطف النساء اس پر راضی ہوگئی۔ وہ اڑیسہ سے واپس آرہی تھی جب نوکمار سے اس کی ملاقات ہوئی۔

دوسرا باب

راہ کے حالات

جسدن موتی بی بی یا لطف النساء نوکمار سے رخصت ہو کر بردوان کی طرف چلی۔ اسدن وہ وہاں نہ پہنچ سکی۔ دوسری سرائے میں ٹھہری۔ اس نے شام کے وقت اپنی باندی پیشوان (پیش نواز) سے پوچھا: "پیش نواز! میرا شوہر کیسا ہے؟ تم نے دیکھا کہ نہیں؟"

پیش نواز۔ "کیا میں پھر دیکھوں گی؟"

موتی: "کیا اسلئے کہ وہ خوبصورت ہے؟"

پیش نواز نوکمار کو دیکھکر خوش نہیں ہوئی تھی۔ موتی نے جو زیور کپال کنڈلا کو دیئے تھے۔ ان پر اسکی نظر تھی۔ وہ اس امید میں تھی۔ کہ کسی دن مانگ لونگی۔ وہ امید بھی جاتی رہی اسوجہ سے

نوکمار اور کپال کنڈلا دونوں خار دار آویز کیطرح اسکی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ پیش نواز نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ کیسے خوبصورتی؟ وہ کنگال اور بھکاری برہمن ہے!!"

موتی اس کی دل کی بات سمجھ گئی۔ اگر کنگال اور بھکاری برہمن امرا ہو جاتے تب وہ خوبصورت کہلائیگا۔ یا نہیں؟"

پیش نواز "وہ کون ہے؟"

موتی "کیوں کیا تو نہیں جانتی کہ بیگم نے قول دیا ہے۔ کہ جب خسرو بادشاہ ہوگا۔ میرا شوہر منصبدار امرا بنایا جائیگا"

پیش نواز "یہ جانتی ہوں مگر وہ کسی وقت تمہارا شوہر ہوگا۔ اب تو نہیں ہے؟"

موتی۔ پھر میرا شوہر کون ہے؟"

پیش نواز "کوئی نیا امرا!"

موتی ہنسی مجھ جیسی کیلئے دو شوہر یہ بے انصافی ہے۔ وہ دیکھو۔ کون جا رہا ہے؟"

جسکو دیکھکر موتی نے یہ سوال کیا تھا پیش نواز نے اسے پہچان لیا۔ وہ خان اعظم کا آدمی تھا۔ دونوں متحیر تھے۔ پیش نواز نے آواز دی آتے ہی اس نے لطف النساء کو سلام کرکے ایک خط اسکے ہاتھ میں دیکر کہا "یہ خط لیکر میں اڑیسہ جا رہا تھا۔ بڑا ضروری خط ہے۔"

لطف النساء نے خط پڑھا دریائے حسرت و یاس میں غوطے کھانے لگی۔ امیدوں کا خون ہو گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

ہماری محنت اکارت گئی۔ بادشاہ اکبر نے مرتے وقت اپنی حکمت عملی سے ہماری تمام کوشش پر پانی پھیر دیا۔ شاہی تخت پر وہ سلیم کو بٹھا گیا۔ اور سلیم نے اپنا نام تبدیل کرکے جہانگیر رکھ لیا۔ اب خسرو کے لئے کسی قسم کی محنت نہ کرو۔ تاکہ موقع پر کوئی تمہاری برائی نہ کر سکے۔ ایسی کوشش کرو کہ جلد آگرہ آجاؤ۔"

اکبر نے جسطرح اس موقع پر داؤں گھات کھیلے ہیں۔ وہ تواریخ میں مذکور ہیں۔ یہاں دوبارہ اسبات کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ انعام دیکر موتی بی بی نے قاصد کو رخصت کیا۔ پیش نواز نے پوچھا" اب کیا تدبیر ہے؟"

موتی: "اب کوئی تدبیر نہیں ہے"۔
پیش نواز۔ "کچھ سوچ کر کہا کیا مضائقہ ہے جسطرح پہلے تھیں۔ اب بھی اسیطرح رہو گی بادشاہ کی مدخولہ بیگم بھی دوسرے راجہ کی رانیوں سے زیادہ ذی حشمت اور ممتاز سمجھی جاتی ہے"۔
موتی۔ (ہنسکر) "اب ایسا نہ ہوگا۔ اب میں دارالسلطنت کو نہ جاؤں گی۔ جہانگیر فوراً ہی مہرالنساء سے شادی کرلیگا۔ اور اسکا درجہ بڑھ جائیگا۔ بادشاہ نام کیلئے رہ جائیگا۔ میں ہمیشہ سے مہرالنساء کی مخالفت کرتی ہوں۔ وہ جان جائیگی۔ اور میں آناً فاناً مصیبت میں پڑ جاؤنگی"۔
پیش نواز نے منہ بنا کر کہا "پھر کیا کیا جائے؟"
موتی: "صرف ایک سہارا ہے۔ مہرالنسا کا دل جہانگیر کیطرف کسطرح ہے۔ اگر مہرالنساء اپنے شوہر شیر افگن خاں کو پیار کرتی ہے۔ تو جہانگیر اسکو نہیں پا سکتا۔ اور اگر مہرالنساء جہانگیر کو چاہتی ہے تو پھر کیا امید کی جاسکتی ہے؟"
پیش نواز: "اسکا اندازہ تم کیونکر لگا سکتی ہو؟"
موتی ہنسی: "لطف النساء کے لئے یہ کونسی بات مشکل ہے۔ مہرالنساء میرے ساتھ کھیلی ہوئی سہیلی ہے۔ کل بردوان جاکر میں اسی کے یہاں ٹھیروں گی"۔
پیش نواز: "اگر مہرالنساء بادشاہ کو نہیں چاہتی۔ تو تم کیا کرو گی؟"
موتی: "باپ دادا کہا کرتے ہیں۔ جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے"۔
دونوں کچھ دیر تک خموش رہے۔ یکایک موتی کے لبوں پر ایک دلآویز تبسم کی جھلک نمودار ہوئی۔ پیش نواز نے تحیرانہ انداز سے پوچھا "ہنستی کیوں ہو؟"
موتی: "ایک نئی تدبیر سوجھی ہے"۔
پیش نواز: "وہ کیا؟"
موتی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی۔ اسکا حال پھر بتایا جائے گا"۔

تیسرا باب

حریف کے گھر میں

اسوقت شیر افگن خاں بنگال کا صوبہ دار تھا۔ موتی بی بی بردوان میں اس کے گھر پہنچی۔ شیر افگن خاں نہایت تواضع و تکریم سے پیش آیا۔ اور اپنے ہی مکان میں ٹھیرایا۔ جب شیر افگن خاں اپنی بیوی مہرالنسا کے ساتھ آگرہ میں رہتا تھا۔ اسوقت سے وہ موتی سے واقف تھا مہرالنسا ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ بادشاہ کی محبت کی وجہ سے وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی سوت بھی کہی جا سکتی ہیں۔ مہرالنسا اپنے دل ہی دل میں یہ سوچتی تھی " کون جانے؟ ہندوستان کی بیگم اور ملکہ ہونیکا افتخار کس خوش نصیب نازنین کے حصے میں آئیگا۔ اسکی خبر تو خدا کو ہے۔ یا سلیم کو!! اور اگر ان کے سوا اور کسیکو خبر ہے۔ تو غالباً لطف النسا ہی کو ہوگی۔ دیکھئے یہ کیا کہتی ہے "۔ ادھر موتی بی بی بھی اس کے دل کا حال جاننے کی بہت خواہشمند تھی "

مہرالنسا اسوقت ہندوستان میں سب سے زیادہ سلیقہ شعار اور حسین عورت مشہور تھی۔ کون جانے وہ دنیا میں بھی فرد دیکھتی رہی ہو۔ خوبصورتی کے باب میں تمام حسین عورتوں سے اہل قلم مورخوں نے اسکے حسن کا گیت گایا ہے اور اسمیں کوئی بھی شک نہیں ہے۔ وہ علم و فن میں بھی لاثانی تھی۔ رقص و سرود میں بے مثال تھی۔ فن شاعری کی دسترس اور کمال مصوری سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ لوگ فریفتہ ہو جاتے تھے۔ اسکی دلآویز اور دلفریب مگر میٹھی میٹھی باتیں اسکے حسن سے بھی کہیں زیادہ پُراثر و دلکش تھیں۔ علیٰ ہذا القیاس موتی بھی کچھ کم نہ تھی۔ آج یہ دونوں ایک دوسرے کے خیالات جاننے کی کوشش میں سرگرم تھیں۔

مہرالنسا اپنے خاص کمرے میں بیٹھی تصویر بنا رہی تھی۔ موتی پیچھے بیٹھی ہوئی تصویر کی رنگینیاں غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور سراہتی جاتی تھی۔

مہرالنسا نے پوچھا " یہ تصویر کیسی ہے؟ "

موتی " تمہاری بنائی ہوئی تصویریں بھی دلفریب اور دلکش ہوتی ہیں۔ ویسی ہی

یہ بھی ہیں۔ تمہارے سوا ایسی اچھی تصویریں کون بنا سکتا ہے۔ مصور تمہاری گلکاری دیکھکر شرماتے ہیں؟"

مہرالنساء:"اگر یہی بات ہوتی تو پھر مجھے دُکھ کیوں ہوتا؟"

موتی:"فن مصوری میں اگر کسی کو اس طرح کمال حاصل ہوتا تو بلاشبہ تمہارا منہ ہی اس کی مصوری کا شاندار معراج ہوتا؟"

مہرالنساء۔"اس منہ کا معراج قبر کی مٹی میں رہے گا"

موتی۔"نہیں آج خلاف معمول مزاج اسقدر سست کیوں ہے۔ اور چہرے پر پژمردگی کے آثار کیوں نظر آرہے ہیں؟" مہرالنساء"سست اور پژمردہ خاطر تو نہیں ہوں۔ آہ! کل تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤگی۔ اسوقت بیشک طبیعت بہت گھبرائے گی۔ ورنہ رنج وملال ہوگا۔ دو چار دن اور ٹھہر جاؤ"

موتی:"یہ کس کو نہیں چاہتا اگر میرا بس چلتا تو میں کیوں جاتی۔ میں دوسرے کے اختیار میں ہوں۔ کیونکر رہ سکتی ہوں"

مہرالنساء:"شاید میرے ساتھ تمکو محبت نہیں ہے۔ اگر محبت ہوتی تو تم ضرور کچھ دنوں اور ٹھہر جاتیں۔ جب آگئی ہو تو کچھ دنوں اور ٹھہر جاؤ"

موتی:"میں نے سب کہدیا ہے میرا بھائی مغلوں کی فوج کا سپہ سالار ہے وہ پٹھانوں کیساتھ لڑائی کرتے ہوئے آفت میں پڑکر زخمی ہوگیا تھا میں اسکی خبر سنکر بیگم کی اجازت سے اُسے دیکھنے گئی تھی۔ اڑیسہ میں بہت دن لگ گئے۔ اب دیر کرنے میں کسی طرح خیریت نہیں ہے تمہیں بہت دنوں سے نہیں دیکھا ہے۔ اسی خیال سے دو دن کے لئے یہاں آگئی"

مہرالنساء:"بیگم سے کس دن واپس پہنچنے کا وعدہ کرآئی ہو؟"

موتی سمجھ گئی کہ مہرالنساء طنزاً یہ بات کہہ رہی ہے۔ طنز اور طعنہ دینے میں مہرالنساء جیسی ہوشیار تھی۔ موتی ویسی نہیں تھی۔ جواب دیا "کسی خاص دن کا وعدہ کیسے کرتی تین مہینے سفر میں لگ گئے۔ دیر کرنے میں بیگم کی ناخوشی کا خوف ہے"

مہرالنساء نے ایک عجیب وغریب مگر بلنسی ہنستے ہوئے کہا "کس کی ناراضگی کا خوف ہے سلیم کی یا سلیم کی بیگم کی؟"

موتی نے شرماتے ہوئے مگر سنبھل کر کہا: "اِس بیشرم کو کیوں شرمندہ کرنا چاہتی ہو۔ دونوں کے ناخوش ہونیکا خوف ہے۔"

مہرالنساء۔ "مگر میں پوچھتی ہوں تم خود بیگم کیوں نہیں بنجاتی ہو۔ سُنا تھا سلیم تمہارے ساتھ شادی کرکے بیگم بنانا چاہتا ہے۔ اسمیں کتنا عرصہ ہے؟"

موتی۔ "میں تو یوں ہی دوسری کی ماتحت ہوں۔ جو کچھ بھی آزادی حاصل ہے اُسے کیوں ضائع کروں؟ بیگم کے محتاج ہونے سے اڑیسہ آئی اگر سلیم کی بیگم ہوتی تو اڑیسہ کیوں آتی؟"

مہرالنساء۔ "دہلی کے بادشاہ کی بیگم کو اڑیسہ آنے کی ضرورت کیوں پڑی؟"

موتی۔ "سلیم کی بیگم ہونے کی خواہش مجھے کبھی نہیں ہوئی۔ اس اعزاز کے قابل صرف مہرالنساء ہی ہو سکتی ہے۔"

مہرالنسا نے سر جھکالیا۔ ذرا دیر خموش رہی۔ پھر مایوسانہ انداز سے بولی "بہن! میں نہیں جانتی کہ تم نے میرے دل دکھانے کی غرض سے یا میرے دل کی بات معلوم کرنے کے لئے یہ الفاظ زبان سے نکالے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ میں شیرافگن کی بیوی ہوں۔ ان کی کنیز ہوں۔ پھر ایسی بات کبھی منہ سے نہ نکالنا۔"

موتی شرمائی۔ مگر جھجکی نہیں وہ موقع کی تلاش میں تھی۔ بولی "میں جانتی ہوں۔ کہ بادشاہ تمہاری ایک ایک ادا پر لٹو ہو رہا ہے۔ اور وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ کیا تم نے سُنا شاعر تمہاری تعریف میں کہتے ہیں "نورجہاں گرچہ بظاہر زن است ۔ درصفِ مردان زن شیرافگن است" تم خود بڑی دوراندیش ہو۔ شاعر ہو۔ عالم ہو۔ عاقلہ ہو۔ شعروسخن میں نورجہاں تخلص کرتی ہو۔ بتا کیسے مان لوں۔ کہ جہانگیر تم کو نورجہان بناکر نہ چھوڑے گا۔"

مہرالنساء۔ "تمہاری بات میری سمجھ میں آئی۔ پھر خوف کیا ہے؟"

موتی۔ "میں کیا کہوں؟" مہرالنسا نے سوچکر کہا "مجھے بیوہ ہونیکا خوف ہے۔ شیرافگن دلیر اور جانباز ہے۔ وہ لڑنے سے باز نہ آئیگا۔ پھر اکبر منصف ہے۔ کیا کبھی وہ دوسرے کی جورو کو کسی اور کی جورو بنائیگا؟"

موتی۔ "سچ ہے مگر شاید تمکو آگرہ کی خبر نہیں ملی۔ اکبر مرگیا۔ سلیم تخت پر بیٹھا ہے۔ اُسے روکے کون سکتا ہے؟"

مہرالنسا کا نپ اٹھی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے "موتی روتی کیوں ہو"

مہرالنساء۔ سلیم دہلی کے تخت پر بیٹھا اور میں کہاں ہوں؟"

موتی کی مراد بر آئی۔ وہ اسکے دل کا حال جان گئی۔ بولی "اب تک تم بھی سلیم کو نہیں بھولی ہو؟"

مہرالنساء کا دل بھر آیا۔ اور ماسّانہ انداز سے بولی "اپنے کو بھول سکتی ہوں مگر سلیم کو کیسے بھولوں۔ سنو بہن دل کا دروازہ تم نے یکبارگی کھلا ہوا دیکھ لیا۔ تم کو قسم ہے یہ بات کبھی پر ظاہر نہ ہونے پائے"

موتی۔ ایسا ہی ہوگا لیکن یہ بتاؤ جب میں آگرہ پہنچوں گی تو سلیم ضرور سوال کریگا کہ تم مہرالنساء سے ملی تھیں۔ اور اس نے کیا کہا؟ اسوقت میں کیا جواب دوں گی؟"

مہرالنساء۔ (سوچکر) یہ کہہ دینا کہ مہرالنسا تم کو نہیں بھولی وہ ہر وقت دل ہی دل میں یاد کرتی رہتی ہے۔ جان جائے تو جائے جاناں کی یاد نہیں جا سکتی۔ دل بیدل ہوتا ہے۔ دلدار کا تصور اس سے دور نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی شیرافگن دہلی یا آگرہ آئیں گے۔ میں بھی آکر ملوں گی۔ ہاں شوہر کے جیتے جی اس زندگی میں اور طرح پر ملاقات کی امید نہیں ہو سکتی"۔ یہ کہکر مہرالنسا اٹھی ہوئی کو تعجب ہوا اور جان گئی مگر مہرالنساء کو اسکے دل کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ اس معاملہ میں موتی نے مہرالنساء سے بازی جیت لی"

موتی کچھ ایسی نظر شناس تھی کہ وہ انسان کو دیکھتے ہی اسکے دل کی حالت کا پتہ لگا لیتی تھی یہ قابلیت اس میں قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ مہرالنساء کی بات سنکر وہ سمجھ گئی کہ وہ جہانگیر پر جی جان سے مفتون ہے اور چاہے لاکھ رکاوٹیں رستہ میں حائل ہوں۔ مگر بادشاہ اپنی خواہش پوری کئے ہوئے نہ رہیگا۔ موتی کو دکھ ضرور ہوا۔ مگر ساتھ ہی اسے ایک نئے سکھ کا خیال آیا۔ وہ آگرہ کی جانب روانہ ہوئی۔ راہ میں کئی مہینے لگے۔ اور اس عرصہ میں وہ برابر غور سے اپنے دل کا مطالعہ کرتی رہی۔

پچھتا باب

مزاج میں تبدیلی

موتی آگرہ پہنچی اب اسکو موتی کہلانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اور وہ یہاں آکر بالکل تبدیل ہو گئی

جہانگیر اس سے ملا۔ راستہ کی خیریت پوچھی۔ لطف النساء نے مہرالنساء کی بابت جو کچھ سنا تھا۔ سچ سچ کہا۔ جہانگیر نے پوچھا "مہرالنساء نے میری نسبت کیا کہا۔" لطف النساء نے صاف صاف تمام باتیں کہہ سنائیں۔ بادشاہ خاموش ہو گیا۔ آنسوؤں کے چند قطرے آنکھوں سے بیساختہ گرے۔

لطف النساء۔ "جہاں پناہ! کنیز نے خوشخبری سنائی۔ مگر انعام کا حکم نہیں دیا گیا۔"

جہانگیر ہنسا۔ "تمہارا انعام بے اندازہ ہے۔"

لطف النساء۔ "میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے؟"

بادشاہ۔ "دہلی کے بادشاہ کو تم نے اپنا غلام بنا لیا۔ اور پھر بھی انعام مانگتی ہو۔"

لطف النساء۔ "عورتوں کی خواہش بے حد بے حساب ہوتی ہے۔ پہلے قول دیجئے۔ کہ اس کنیز کی آرزو پوری کی جائیگی۔"

جہانگیر۔ "مگر اس سے سلطنت کے کاروبار میں خرابی واقع نہ ہو۔"

لطف النساء۔ "یعنی ایک بات سے سلطنت کے کام میں کیا خرابی واقع ہو سکتی ہے؟"

جہانگیر۔ "بہت خوب قبول کرتا ہوں۔ کہو کیا خواہش ہے۔ میں بھی سنوں۔"

لطف النساء۔ "ایک شادی کرنے کی خواہش ہے۔"

جہانگیر نے قہقہہ لگایا۔ "یہی خواہش ہے۔ اس میں شک نہیں کیا کہیں شادی ٹھہر گئی ہے؟"

لطف النساء۔ "جی ہاں۔ صرف عالیجاہ کے حکم کی دیر تھی۔ بغیر بادشاہ کے حکم سے کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔"

جہانگیر۔ "میری رائے کی کیا ضرورت ہے؟ کس کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ کون دریائے حسن میں خود ڈوبا۔ شوہر کیا ہوگا۔ کس پر نظر التفات ہوئی؟"

لطف النساء۔ "کنیز نے بادشاہ دہلی کی خدمت کی ہے۔ اب اپنے شوہر سے ملنے کی اجازت چاہتی ہے۔"

جہانگیر۔ "اس قدیم خادم کی کیا حالت ہو گی؟"

لطف النساء۔ "مہرالنساء کو دہلی کی بیگم بنا جاؤنگی۔"

جہانگیر۔ "مہرالنساء کون؟"

لطف النساء۔ وہ ہوگی - وہی !!"

جہانگیر نے سوچا مہرالنساء دلی کی بیگم ہوگی۔ لطف النساء کو پورا پورا یقین ہے۔ اسلئے وہ نا امید ہو کر شاہی محل سے بھاگنا چاہتی ہے۔ اُسے رنج ہوا۔ خاموش رہ گیا۔

لطف النساء۔ کیا حضور کی اس معاملہ کی رضامندی نہیں ہے؟"

جہانگیر۔ میں رضامند نہیں ہوں۔ اگر شوہر کے ساتھ پھر شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

لطف النساء۔ بدقسمتی سے شوہر نے مجھے اپنی بیوی نہیں بنایا اب بادشاہ کے حکم سے وہ اس کنیز کو چھوڑ نہ سکیگا۔"

جہانگیر نے ہنسکر کہا تم جو کہو وہ میں کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے چھوڑ کر کیوں جاؤ گی؟ کیا ایک ہی آسمان میں چاند اور سورج دونوں نہیں رہ سکتے؟ کیا ایک شاخ میں دو پھول نہیں کھل سکتے۔

لطف النساء۔ چھوٹی قسم کے دو پھول تو ایک شاخ میں رہ سکتے ہیں۔ مگر کنول کی ڈنڈی میں دو کنول نہیں لگ سکتے ہیں کیوں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہوئی کسی خوبصورت پھول کے دامن سے خواہ مخواہ الجھاؤں۔ لطف النساء اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسنے کیوں ایسا ارادہ کیا؟ جہانگیر پر اسکا اظہار نہ ہوا۔ جہانگیر آخر بادشاہ تھا۔ کچھ سوچ سمجھکر خاموش ہو رہا۔ لطف النساء کا کلیجہ پھڑکا تھا۔ پہلے وہ سلیم کی محبت میں متوالی رہتی تھی۔ مگر جہانگیر کی طرف سے اسکی طبیعت پھر گئی۔"

پانچواں باب

اپنے کمرے میں

دل سے جسکی ہے الفت اُسی سے کام رہے + امید کے دل تھی زباں پہ اُسی کا نام رہے
صراحی دل کی نہی عمر بھر نہ ہوگی کبھی + لبوں پہ جام محبت کا صبح و شام رہے
ہٹا دے ساقی نہیں مے سے دہر کی رغبت + خدایا دور سبو اور اسکا اور جام رہے
امید دل کی بر آتی نہیں نظر آتی + ہزار حیف کہ دل میں خیال خام رہے
وفا کی دہر سے اختر امید تم نہ کرو + سنبھالو دل کو بڑی اس کی روک تھام رہے

لطف النساء اپنے کمرے میں آئی۔ خوش ہو کر اس نے پیش نواز کو بلایا۔ تمام لباس اور زیور اتار کر کہا "تو اسے لیجا"

پیش نواز "ڈری کیوں خیر تو ہے؟"

لطف النساء "خیریت ہے"

پیش نواز "کیا مہرالنساء کا خوف جاتا رہا؟"

لطف النساء "ہاں اب کوئی فکر نہیں رہے"

پیش نواز "تو میں گویا آج سے بیگم کی کنیز کہلاؤنگی"

لطف النساء "اگر یہ خواہش ہو تو مہرالنساء سے سفارش کریں"

پیش نواز "وہ تو جہانگیر کی بیگم نہیں ہو سکتی"

لطف النساء "کیوں؟ میں نے کب ایسا کہا۔ فکر نہ کر"

پیش نواز "اگر آپ بیگم نہیں ہوتیں تو پھر فکر کیوں نہ ہو۔ پھر تو سب کرا کرایا خاک میں مل گیا"

لطف النساء "اب مجھے دہلی یا آگرہ سے کام نہ رہے گا"

پیش نواز۔ کیوں میں نہیں سمجھ سکتی آج کیا ہوا۔ واضح طور سے سمجھائیے"

لطف النساء۔ یہ سمجھ لے کہ اب زندگی بھر دہلی یا آگرہ کو ان آنکھوں سے نہ دیکھونگی"

پیش نواز "کہاں جاؤگی؟"

لطف النساء "بنگال میں رہونگی اور اگر ممکن ہوا تو کسی بھلے مانس کی بیوی بنکر رہونگی؟"

پیش نواز "میرا تو کلیجہ دہل رہا ہے بات کیا ہوئی؟"

لطف النساء "میں سچ مچ آگرہ سے چلی جاؤنگی۔ بادشاہ سے رخصت ہو آئی ہوں"

پیش نواز "ایسا ارادہ کیوں کیا؟"

لطف النساء "آگرہ میں ہوا نے تمکو کھانے کے اور کچھ کمی کی بات نہیں آیا بچپن سے تمکو کی خواہش تھی۔ میں نے کتنا دھن دولت دیا یا مصیبتیں اٹھائیں کوششیں کیں اور

جس کیلئے سب کچھ کیا وہ ہاتھ نہیں آیا۔ حکومت رسوخ۔ عزت و راحت سب کا مزہ لیا۔ مگر اسکا انجام کیا ہوا؟ آج یہاں بیٹھ کر میں کہہ سکتی ہوں۔ کہ ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی مجھے سُکھ نہیں ملا۔ لالچ اور ہوس بڑھتی ہی گئی۔ مگر تمام بے سود اور سب بے کام کا اگر ان سب میں راحت اور خوشی ہوتی تو ایکدن تو مجھے آرام ملتا۔ مگر میں پہاڑی ندی کی طرح بہتی ہوئی پنی ہی دھارا میں چھپتی رہی ندی چاہے جسقدر شور مچائے مگر اسکی سُنتا کون ہے۔ اسپر بھی وہ جسقدر آگے بڑھتی ہے۔ اسیقدر گندی ہوتی ہے لہریں اُٹھتی ہیں۔ بھنور بنتی ہیں۔ گھڑیاں۔ مینڈک۔ مچھلی۔ کیکڑے سب اسکے اندر رہتے ہیں مٹی سے ملکر پانی کہیں کہیں کھاری ہو جاتا ہے۔ کہیں کہیں ریت کے ٹیلے بن جاتے ہیں۔ تیزی میں بھی فرق آجاتا ہے۔ بالآخر ندی سمندر میں جاکر کہاں چھپ جاتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟"

پلیش نواز۔ "مگر ان باتوں سے اور سُکھ سے کیا نسبت ہے؟"

لطفُ النّساء "تجربہ نے اتنے سالوں کے بعد سمجھایا۔ کہ تین برس تک شاہی سایہ کے نیچے رہنے پر بھی وہ سُکھ کبھی نہیں ملا۔ جو لاڈ لیہ سے واپسی کے وقت ایک لمحہ کے لئے راہ میں ملا تھا"

پلیش نوازہ۔ "میں کیا سمجھوں؟"

لطف النساء۔ "میں اتنے دنوں تک عنقریب مورتی کی طرح تھی۔ جسمیں باہر تو سونا اور چاندی اور جواہرات جڑے رہتے ہیں۔ مگر اندر پتھر ہی پتھر رہتا ہے۔ لذات نفسانی کی تلاش میں میں آگ میں گرتی رہی۔ مگر آگ کو نہ چھو سکا۔ اب جل کر دیکھوں کہیں دل کے پیار کا مزہ ملتا ہے یا نہیں"

پلیش نوازہ "میں بھی نہیں سمجھی"

لطف النساء "کیا تم نے اس آگرہ شہر میں کبھی کسی کو دل سے پیار کیا ہے؟"

پلیش نوازہ "(آہستہ سے) کسی کو بھی نہیں"

لطف النساء "تب بہتر نہیں تو کیا ہوں؟"

پلیش نوازہ "اگر آپ پیار کی خواہش ہوئی ہے تو پیار کیوں نہیں کرتیں؟"

لطف النسا "جی تو چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے آگرہ چھوڑ رہی ہوں"

پلیش نوازہ۔ پھر اس غرض سے کیا ہے؟ کیا آگرہ میں آدمی نہیں ہیں۔ جو تیگے سرداروں کے

ملک میں جاؤ گی۔ یہاں جو تمکو پیار کرتے ہیں۔ انہیں کو پیار کیوں نہیں کرتی (جو) شکل۔ صورت۔ مال۔ دولت اور حکومت میں دہلی کے بادشاہ سے بڑھ کر کون ہے؟"

لطف النساء۔ آسمان میں چاند اور سورج کے رہتے ہوئے بھی پانی ہمیشہ نیچے ہی طرف کیوں بہتا ہے؟"

پیش نواز۔ آپ ہی بتا سکتی ہیں"

لطف النساء۔ قسمت میں یہی لکھا ہے!"

لطف النساء نے تمام باتیں کھول کر صاف صاف نہیں کہیں پتھر میں آگ نے اثر کیا اور اب وہ پگھلنے لگا ہے"

چھٹا باب

زیر قدم

کھیت میں بیج بو دینے سے خود بخود انکھوے نکلتے ہیں۔ انکھوا نکلنے پر اسے کوئی بھی نہیں جانتا نہ دیکھتا ہے۔ لیکن بیج بونے والا چاہتے جہاں رہے انکھوا نکلکر چھوٹے درخت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اسے کوئی بھی نہیں دیکھتا تب وہ باقاعدہ بڑھنے لگتا ہے ناگفتہ وہ ایک دن درخت بیش قامت کا ہو جاتا ہے اگر کسیکو اس سے تعلق نہیں ہے تب بھی اسپر نگاہ نہیں پڑتی ہے۔ دن مہینے اور سال گذر جاتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ لوگوں کی نظر اس پر پڑنے لگتی ہے۔ اب کون ہے جو اس پر توجہ کرے درخت بڑھ گیا۔ اب سب کو اسکے سایہ کے نیچے آرام ملتا ہے۔

لطف النساء کا خیال بھی اس طرح بڑھتا گیا پہلے آنکھیں دو چار ہوئیں۔ مگر نہ جان سکی پھر اسنے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ہے بھی کچھ نہیں دو ہیں۔ دوستی لگا ہو۔ اسنے دل میں مد و جزر کا عالم پیدا کر دیا۔ شکم سے ملنے لگا پھر دل میں محبت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ انہیں لہروں نے اسکے کاشانۂ دل میں ایک ایسی مورتی بنا دی جسکا تصور رات دن رہنے لگا۔ بے چینیوں نے چین نہ لینے دیا۔ رات دن وہی سودا رہنے لگا۔ اس سے ملنے کے لئے ہر وقت تڑپنے لگی۔ اس آرزو کے سامنے دہلی کے

تخت کی خواہش بھی ہیچ نظر آنے لگی۔ راج دھن دولت تاج تخت سب بے وقعت اور ہیچ دکھائی دینے لگے۔ یہ صورت نوکمار کی تھی۔ یہی سبب ہے کہ لطف النساء کی وجہ سے جب اس کی آرزوؤں کا خون ہوا۔ تب بھی اسے رنج نہیں ہوا۔ اور اسی وجہ سے اگرچہ اس نے پھر اس کی امید کو ماند نہ ہونے دیا۔ اور یہی سبب ہے کہ زندگی بھر کیلئے وہ بادشاہ سے رخصت ہوگئی۔

لطف النساء سپت گرام میں پہنچی۔ شہر کے ایک گوشے پر اس نے ڈیرہ ڈال دیا۔ چلنے والوں نے دیکھا کہ مکان نوکروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ خوش پوشاک ہیں کمرہ سجا سجایا ہے جابجا قرینہ سے پردے لگے ہوئے ہیں۔ ہاتھی دانت کے زرنگار سامان موقع موقع سے دھرے ہوئے ہیں۔ مکان ہر طرح سے نئی دلہن کی طرح آراستہ پیراستہ ہے۔ لطف النساء سر نیچا کئے ہوئے بیٹھی ہے۔ پاس ہی ایک علیحدہ جگہ پر آسن ڈالکر نوکمار بھی بیٹھا ہے۔ سپت گرام میں لطف النساء اور نوکمار ایک دو مرتبہ پہلے بھی مل چکے تھے۔ اس میل ملاپ سے لطف النساء کا مقصد کس حد تک بر آیا۔ اس کا حال آگے چلکر معلوم ہوگا۔

نوکمار نے کہا "میں جاتا ہوں۔ اب مجھے نہ بلانا۔"

لطف النساء نے جواب دیا "ابھی نہ جاؤ۔ ذرا ٹھہرو۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ کہہ لینے دو۔"

نوکمار نے کچھ دیر انتظار کیا مگر لطف النساء نے زبان نہ کھولی۔ نوکمار نے پوچھا کیا کہنا ہے؟

لطف النساء نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔ نوکمار جانے کے لئے اٹھا۔ لطف النساء نے اسکا دامن پکڑ لیا۔ نوکمار نے تیکھی چتونوں سے نظر ڈال کر ذرا بگڑ کر کہا "دیر کیا ہے؟ کہو کیا چاہتی ہو؟"

لطف النساء نے کہا "تم کیا چاہتے ہو۔ اس دنیا میں کیا کسی بات کی خواہش کسی کو نہیں ہے۔ دھن دولت عزت میل ملاپ حکومت سب سکھ کے سامان ہیں۔ وہ سب تم کو دوں گی۔ اسکے بدلے میں کچھ نہیں چاہتی۔ صرف تمہاری لونڈی بنکر رہنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے اپنی بیوی بناؤ۔ صرف لونڈی بنا رکھو۔"

نوکمار: "میں مفلس برہمن ہوں۔ اور اس جنم میں کنگال برہمن ہی رہونگا۔ میں تمہارا دھن نہیں لینا چاہتا۔"

نوکمار کو ابتک خبر نہیں تھی۔ کہ وہ اس کی بیاہتا بیوی ہے۔

لطف النساء اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی جوش محبت نے اسے متوالا بنا دیا۔ غش غش ہونے لگی۔

ٹھہرسی دوڑ گئی۔ نوکمار نے اپنا دامن اس سے زبردستی چھڑا لیا۔ لطف النساء نے پھر دامن پکڑ کر کہا۔ اچھا! یہ بات جانے دو اگر مالک کی یہی مرضی ہو تو میں ہر قسم کے خیال کو دل سے دُور کر دوں گی۔ صرف یونہی سمجھ کر اس طرف کبھی کبھی آیا جایا کرو۔ تاکہ تمہاری موہنی صورت دیکھکر یہ درشن کی پیاسی آنکھیں ذرا ٹھنڈی ہو جایا کریں۔"

نوکمار۔ تم مسلمانی ہو۔ پرائے کی استری ہو۔ تمہارے ساتھ اس قسم کی بات چیت کرنا ادھرم ہے۔ اب میں تم سے نہ ملوں گا۔"

کچھ دیر تک خموش رہی۔ مگر دل میں سخت بےچینی تھی۔ پتھر کی مورتی کیطرح وہ چُپ چاپ کھڑی رہی۔ نوکمار کا دامن چھوڑ کر اس نے کہا۔ "جاؤ۔" نوکمار چلنے کو ہوا۔ دو چار قدم گیا ہوگا۔ کہ لطف النساء اکھڑے ہوئے درخت کیطرح اسکے پاؤں پر گر پڑی اور زور زور سے دونوں پاؤں پکڑ کر بولی۔ بیدرد! میں تمہارے لئے آگرہ کا تخت چھوڑ کر آئی ہوں۔ میری ذلت نہ کرو۔"

نوکمار۔ "تم پھر آگرہ چلی جاؤ۔ میری امید نہ رکھو۔"

لطف النساء۔ اس زندگی میں یہ امید اب نہیں چھوٹ سکتی۔"

پھر اس نے سر اونچا کیا۔ گردن اٹھائی اور اپنی رسیلی چتونوں سے نوکمار کو دیکھنے لگی۔ جو دل مصیبتوں اور سختیوں کے طوفان سے بھی نہ ہلا تھا۔ دم کے دم میں اسکی حالت میں ایک عجیب و غریب تبدیلی آ گئی۔ جو غرور دل کی آگ میں جل گیا تھا۔ آج اس سے روشنی برآمد ہوئی۔ جس طاقت نے ہندوستان کے بادشاہ کی سر اکال ہیا نہ مانا۔ وہی طاقت آج اسکے نازک جسم میں آئی پیشانی پر جھومر اپنی آب و تاب سے جگمگا رہا تھا گلے میں نولکھا ہار اور جگنو اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے۔ اُن کے درمیان اسکا چہرہ چودھویں کے چاند کیطرح نور برسا رہا تھا۔ آنکھیں چڑھا کر ابروؤں میں بل ڈالکر بولی۔ "اس زندگی میں میں نہیں بھول سکتی۔ تم میرے ہی ہو گے۔"

نوکمار کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ حسن کی یہ جلوہ آرائیاں جو اس نے اسوقت لطف النساء کے چہرے میں دیکھی تھیں۔ پہلے نظر سے نہیں گذری تھیں۔ اس نے ڈر کر چلنے کے ارادہ سے قدم اٹھائے یکایک جیسے کسی نے پاؤں پکڑ لئے دل میں خیال آیا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی بیوی پدماوتی کو پلنگ سے اتار دیا تھا۔ گو اسوقت وہ بہت کمسن تھی۔ مگر مایوسانہ انداز سے بار بار میری طرف دیکھتی تھی ہو بہو

اُس کا سر بھی اسیطرح ہلا تھا۔ قریب قریب شاید ایسی ہی شکل اسکی بھی رہی ہو گی۔ مجھے یاد نہیں ہے مدت کی بات ہوئی بہت دنوں بعد آج اسکی یاد آئی۔ یہ خیال آتے ہی اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر ضبط کے آہستہ لہجہ میں پوچھا "تم کون ہو؟"

لطف النساء کا چہرہ جوش سے گلگوں ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک آ گئی۔ بولی:۔ "میں پدماوتی ہوں"

جواب کا انتظار نہ کر کے وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ اور نوکا بھی شک و شبہ میں پڑا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

ساتواں باب
جنگلی علاقہ

دوسرے کمرے میں جا کر لطف النساء نے دروازے بند کر لئے۔ دو دن تک وہ اس سے باہر نہ نکلی۔ دل ہی دل میں خوب سوچتی رہی۔ تب جا کر دل کو کچھ قرار پایا۔ شام کو وقت پیش نواز نے اسکے کپڑے بدلوائے۔ لباس اور طرح کا تھا۔ اس نے پوچھا۔ کیوں پیش نواز کیا اس بھیس میں کوئی مجھے پہچان سکتا ہے؟"

پیش نواز: "کیا مجال کہ کوئی پہچان سکے!"

لطف النساء: "تو میں چلی۔ کوئی غلام یا کنیز میرے ساتھ نہ آئے"

پیش نواز کو حیرت ہوئی اگر قصور معاف ہو۔ تو میں ایک بات پوچھوں؟"

لطف النساء: "کیا؟"

پیش نواز: "آپ کیا کریں گی؟"

لطف النساء: "اسوقت تو کپال کنڈلا کو اس کے شوہر سے جدا کرنا ہے۔ پھر وہ میرا ہو جائیگا"

پیش نواز: "بی بی! اچھی طرح سوچ لو جنگل گھنا اور خوفناک ہے۔ رات ہو گئی ہے

آپ اکیلی ہیں؟

لطف النساء نے کچھ جواب نہ دیا۔ چلی گئی۔ سپت گرام اس جنگلی حصّے میں جہاں نوکمار کا گھر تھا۔ وہ وہاں پہنچی۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ قریب کے جنگل میں پہنچکر وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اور سوچنے لگی وہ نہایت باحوصلہ عورت تھی۔ دور سے کچھ روشنی دکھائی دیتی تھی۔ اور آواز بھی آرہی تھی پہلے درخت کی اوٹ سے دیکھا آگ جو جل رہی تھی۔ وہ ہوم کی آگ تھی۔ اور آواز منتر پڑھنے کی دُھن تھی۔ منتر کو تو وہ کیا سمجھ سکتی تھی۔

ہوم کرنیوالے کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔ اب کپال کنڈلا کا کچھ حال سنیئے:۔

چوتھا حصّہ

پہلا باب

رات

لطف النساء کے آگرہ جانے اور وہاں سے سپت گرام آنے میں تقریباً ایک برس لگ گیا ہوگا۔ کپال کنڈلا کو نوکمار کی زوجیت میں آئے ہوئے ایک برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ جس دن شام کے وقت لطف النساء جنگل میں تھی۔ اس دن کپال کنڈلا من مارے ہوئے خوابگاہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ وہ کپال کنڈلا اب نہیں رہی تھی۔ جو سنسان جنگلوں میں نیم برہنہ حالت میں رہتی تھی۔ شیاما سندری کی پیشینگوئی بالکل سچ نکلی۔ پارس پتھر چھو جانے کے باعث اب وہ گھر باری ہوگئی تھی۔ لمبے لمبے بال ناگن کی طرح شانوں سے لٹک کر لہرا رہے تھے۔ پیشانی پر جھومر لٹکتا ہوا مرصع تاج کی طرح چہرہ کی رونق دوبالا کر رہا تھا۔ دونوں ابروؤں کے درمیان چمکتے ہوئے ستارہ کو اگر کوئی صوفی دیکھتا تو اُسے شفق سے پہلے کی یاد آجاتی۔ سونے کی بندی جو منہ کے اوپر لٹک رہی

تھی کالے بھونرے بال بکھر کر لٹوں سے ملکر چاند اور چاند کے ہالہ کا تماشہ دکھا رہی تھی۔ مانگ سیندور سے بھری ہوئی تھی۔ اسکے خط میں نیلگوں آسمان کے کہکشاں کے آب و تاب کا نظارہ تھا۔ ہاں اسقدر فرق ضرور تھا۔ کہ کہکشاں سفید ہوتی ہے۔ یہ سرخ تھی۔ بیچ میں مانگ کا خط اور ہر دو طرف کالے کالے بالوں میں، جابجا سفید پھول گتھے ہوئے تھے کیسے نظر آتے تھے؟ جیسے نیلگوں آسمان پر ستارے اپنی چمک دکھاتے ہیں۔ دونوں کانوں میں جھمکے لٹک رہے تھے۔ انکی تشبیہہ کس سے دی جائے۔ گلے میں سونے کا ہار تھا۔ اسکے موتیوں میں رات کے کھلنے والی کمودنی کی سفیدی کا منظر تھا۔ جسم پر سفید ساڑھی تھی۔ اسے دیکھکر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا چاند کے نیچے سفید بادل اسکے نور سے خاص قسم کا رنگ مستعار لے رہے ہیں۔ سر کے کالے کالے بالوں کو دیکھکر ابروں کی گھنگھور گھٹاؤں کا نظارہ آنکھوں کے آگے پھر جاتا تھا۔ ؎

مانگ گرچہ سیدھی راہ ہے ظلمات کی ٭ خضر کو بھی ہے مسافت ایکدن و رات کی

جیسے چاند میں کسی قدر سیاہی نظر آیا کرتی ہے۔ اسیطرح کپال کنڈلا کی شکل و صورت پر بلکہ برائے نام اداسی کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اسکے ساتھ شیاما سندری بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ شیاما کی شادی ہوگئی تھی۔ اور اسکا کلین شوہر آیا ہوا تھا۔"

کپال کنڈلا بولی۔ "تمہارے شوہر یہاں کتنے دن ٹھہرینگے؟"

شیاما۔ "کل دوپہر کے بعد چلے جائینگے۔ ہائے! آج رات کو جڑی بوٹی اکھیڑ کر اسکے ذریعہ موہنی منتر کی مدد سے انہیں روک لیتی تو میرا جنم سپھل ہو جاتا۔ میں تو کل رات کو باہر گئی تھی۔ اسکے لئے اس قدر برا بھلا سننا پڑا۔ آج کیسے نکلونگی؟"

کپال کنڈلا۔ "دن کیا دن میں نہیں لا سکتی ہو؟"

شیاما۔ "دن میں اکھیڑنے سے اثر نہ ہوگا۔ وہ ٹھیک آدھی رات کو سر کے بال بکھیر کر اکھیڑی جاتی ہے۔ افسوس دل کی خواہش دل ہی میں رہی جاتی ہے۔ آرزوؤں اور تمناؤں کا خون ہوا جاتا ہے۔"

کپال کنڈلا۔ "اچھا آج میں دنکو اسے پہچان آئی ہوں۔ تمہیں باہر نہ جانا ہوگا۔ میں خود ہی اکیلی جاؤں گی۔ اور بوٹی لے آؤں گی۔"

شیاما "لیکن جو ہوا سو ہوا۔ اب پھر رات کے وقت باہر نہ نکلنا"
کپال کنڈلا۔ کیا خوف ہے فکر نہ کرو۔ تم جانتی ہو میں بچپن میں رات کو تن تنہا جنگل میں گھوما پھرا کرتی تھی۔ اگر میں ایسی نہ ہوتی تو یہاں کیونکر ہوتی۔ اور تم سے ملاقات کیسے ہوتی۔ تم نے میرا حال سنا ہی ہوگا؟"
شیاما۔ میں کسی خوف کی وجہ سے نہیں کہتی۔ بہو بیٹیوں کا اکیلے رات کے وقت جنگل میں جانا مناسب نہیں ہے پہلے ہم تم دونوں گئی تھیں اس پر تو اتنی باتیں سننی پڑیں۔ آج جب تم اکیلی جاؤ گی۔ تو کیا حال ہوگا؟"
کپال کنڈلا۔ "اسمیں ہرج ہی کیا ہے؟ تم نے کیا سمجھا ہے۔ کیا میں رات کے وقت گھر سے باہر نکلنے میں بُری ہو جاؤنگی؟"
شیاما۔ "یہ سچ ہے مگر جب لوگ تمہیں بُرا کہیں گے تو مجھے بڑا دُکھ ہوگا"
کپال کنڈلا۔ "من کو فضول وسوسوں سے روکو۔ دُکھی ہونے کی ضرورت کیا ہے؟"
شیاما "اچھا یہ بھی سہی مگر کیا بھیّا ناراض نہ ہونگے؟"
کپال کنڈلا نے شیاما کو بانکی چتون سے دیکھا اگر وہ خواہ مخواہ ناراض ہو جائیں تو میرا کیا اختیار ہے؟ اگر میں جانتی کہ شادی کرنے میں فرق آجاتا ہے تو میں کبھی شادی نہ کرتی"
شیاما نے دیر تک بات چیت کرنی مصلحت نہ سمجھی وہ گرہستی کے اور کاموں میں مصروف ہوگئی۔ کپال کنڈلا بھی گھر کا کام کاج کرنے کے بعد جب فارغ ہوئی۔ بوٹی کی تلاش میں گھر سے باہر نکلی۔ رات ایک پہر سے زیادہ جا چکی تھی۔ نوکمار دالان کی بیٹھک میں تھا۔ ایسی رات میں کپال کنڈلا کو باہر جاتے دیکھکر متعجب ہوگیا۔ فوراً آگے بڑھ کر پکڑ لیا"
کپال کنڈلا "کیوں؟"
نوکمار "کہاں جاتی ہو؟"
نوکمار کی باتوں پر لعنت ملامت کا ذرا بھی شمول نہیں تھا"
شیاما سُندری اپنے شوہر کے بس میں کرنے کے لئے جڑی بوٹی چاہتی ہے۔ میں اسی کی تلاش میں جا رہی ہوں"

نوکمار:۔ "کل بھی تو گئی تھیں۔ آج پھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

کپال کنڈلا۔ "کل باوجود تلاش کے بھی وہ نہیں ملی۔ آج پھر ڈھونڈ ونگی؟"

نوکمار۔ "کیا یہ کام دن میں نہیں ہو سکتا؟" یہ بات اس نے محبت آمیز لہجہ میں کہی تھی۔

کپال کنڈلا:۔ "دن میں لانے سے دوا اثر سے خالی رہتی ہے۔"

نوکمار۔ "پھر تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے بتا دو۔ میں لا دوں۔"

کپال کنڈلا:۔ "میں اُسے صرف پہچانتی ہوں۔ نام نہیں جانتی۔ اگر تم ساتھ چلو گے تو پھر اثر نہ ہوگا۔ عورتوں کو اپنی لِٹ چھٹکا کر اکھیڑنا پڑتا ہے۔ تم دوسرے کے کام میں خلل انداز نہ ہو۔"

یہ بات کپال کنڈلا نے طعن آمیز لہجہ میں ناراضگی کے ساتھ کہی تھی۔ نوکمار نے کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ بولا:۔ "چلو میں تمہارے ساتھ چلونگا۔"

کپال کنڈلا کو بُرا معلوم ہوا۔ اُسنے طعن آمیز انداز سے کہا "آؤ۔ چلو دیکھو میں اعتبار کے قابل ہوں یا نہیں۔ اسکا پتہ لگ جائے گا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

نوکمار نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گہرا سانس لیا۔ کپال کنڈلا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ اکیلے جنگل کی طرف چلی گئی۔

دوسرا باب
جنگل

سپت گرام کا یہ حصہ جنگلی تھا۔ یہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ کہ گرام سے کچھ ہی دُور پر گھنا جنگل تھا۔ رات بہت سہاونی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے چمکے ہوئے تھے۔ چاندنی جوسے تیسر کا نظارہ دکھا رہی تھی۔ چاندنی کی صاف شفاف مجلا کرنیں درختوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے پتوں پر آرام کر رہی تھیں۔ ہر چہار طرف خاموشی کا عالم تھا۔ جا بجا طراوت بیز سفید پھول کھلے ہوئے تھے۔ پرندوں کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ ہاں رہ رہ کر کوئی مادہ پرندہ اپنے جوڑے کی جدائی میں حسرت بھری آواز سے بول اٹھتی تھی۔ اور کبھی کبھی خشک پتوں کے گرنے سے اٹھی

کھڑکھڑاہٹ کی آواز کانوں میں آجاتی تھی۔ نسیم موج شمیم آکر آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ اسکے جھونکوں سے نازک ٹہنیوں کے پتے گرمی کے پنکھوں کی طرح ہل جاتے تھے کہیں کہیں آسمان پر سفید بادل آہستہ آہستہ اپنی چال سے ایک دلفریب نظارہ کا سماں دکھاتے تھے۔ ہوا اور بادلوں کی دھیمی رفتار میں ایک طرح کے خواب کی پُرسرور کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔"

کپال کنڈلا بیداری کی حالت میں تھی۔ یکایک ریت کے ٹیلے پر ساحل کے خوبصورت درختوں کے نظارہ کی دلکشی کی اُن کو یاد آگئی۔ آسمان کی طرف اپنی مایوسانہ نگاہیں ڈالیں اسکے بادلوں میں سمندر کی لہروں کے تماشے کی دلفریب جھلک نظر آئی۔ اس خیالی نظارہ سے دل پر ایک خاص قسم کی محویت طاری ہوگئی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھائے جنگل اور بھی گھنا دکھائی دینے لگا۔ سر پر گھنے درختوں کی شاخوں نے چاند کی روشنی میں ایک دھندلا پن پیدا کر دیا۔ تاریکی میں راستہ نظر آنا مشکل ہوگیا۔ اسکا چہرہ اس نظارے سے مایوسی کا ایک مجسم فوٹو ہوگیا۔ اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی۔ دیکھا جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ بطرف التفات نے بھی یہی آگ جلتی ہوئی دیکھی تھی۔ کپال کنڈلا کی طبیعت فطرتاً بہت بیخوف واقع ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف چلی جدہر سے روشنی آتی تھی۔ آگ روشن تھی مگر نہ آدمی نہ آدم زاد کا نشان وہاں کوئی نہ تھا۔ ایک جگہ ٹوٹا پھوٹا ہوا مکان اینٹوں سے بنا ہوا دکھائی دیا۔ تمام مکان میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ اسکے اندر سے بات چیت کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ قریب گئی دو آدمیوں کی آواز سنائی دی۔ جیسے وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ یہ پہلے انکی بات چیت کا مطلب نہ سمجھ سکی غور سے سننے پر کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ ایک نے کہا میری تو خواہش مارنے کی ہے۔ اگر اس سے تم متفق الرائے نہیں تو میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ تم بھی میری مدد نہ کرنا۔"

دوسرا بولا۔ "میں بھی تو منگل نہیں چاہتا۔ مگر صرف ضرورت کے لئے کام کرتا ہوں۔ یونہی کسی کی ہتیا (خون) نہیں کرتا۔ بلکہ اسکا مخالف ہوں۔"

پہلے آدمی نے کہا "تم نادان ہو میں تمہیں عقل کی بات سکھاتا ہوں۔ دل لگا کر سنو۔ بھید کی باتیں کہونگا۔ پہلے چاروں طرف دیکھ آؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہیں سے آدمی کے سانس لینے کی آواز آ رہی ہے" یہ کپال کنڈلا ان کی بات سننے کے لئے دیوار کے بہت قریب آ گئی تھی۔

اور یہ اسکی سانس تھی۔ جس کا اندازہ اُس شخص نے کیا تھا۔ پہلا شخص گھر سے نکلا۔ باہر آتے ہی کپال کنڈلا پر نگاہ پڑی۔ اور کپال کنڈلا نے بکھری ہوئی چاندنی میں اُس آدمی کو دیکھ لیا۔ وہ برہمن معلوم ہوتا تھا۔ معمولی دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ کندھے میں سفید جنیو پڑا ہوا تھا۔ اسکی عمر کم تھی۔ مگر چہرہ ... جوانی کے آثار نمایاں نہیں تھے۔ خوبصورت تھا۔ عورتوں کی طرح اسکے چہرے میں نزاکت تھی۔ مگر چہرہ پر غرور و متانت کا جلوہ دکھائی دیتا تھا۔ سر کے بال مردوں کی طرح کٹے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ عورتوں کی طرح جنیو کو ڈھکتے ہوئے بازو اور کندھوں پر لٹکتے ہوئے سینہ پر لہرا رہے تھے۔ آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی۔ اسکی تلوار کمر سے لٹک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی زبردست خواہش کی مجسم صورت آنکھوں کے سامنے کھڑی ہوئی ہے نگاہیں کچھ ایسی تیز تھیں کہ دل و جگر کو چھیدتی ہوئی اندر گھس جاتی تھیں ان سے جانسوز حرارت کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ کپال کنڈلا خائف ہوگئی۔ اور اسکے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی

دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ کپال کنڈلا اُس نظارہ کی تاب نہ لا سکی اسکی آنکھیں جھپک گئیں۔ دوسرے نے پوچھا "تم کون ہو؟" اگر ایک برس پہلے یہ سوال کپال کنڈلا سے کیا جاتا تو وہ مناسب جواب دیتی۔ مگر اب انہیں گھر میں رہنے والی عورتوں کی عادت آگئی تھی۔ وہ جواب نہ دے سکی۔ برہمن کی صورت والے شخص نے جواب نہ پاکر سنجیدہ و متانت آمیز لہجہ میں سوال کیا "کپال کنڈلا! تم رات کے وقت ایسے گھنے جنگل میں کیوں آئی ہو؟"

کپال کنڈلا اپنا نام سنکر اور بھی ڈر گئی۔ حیرت اور خوف نے زبان پر مہر لگا دی۔ پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دے سکی۔

برہمن کی آنکھیں بدلتے ہوئے آدمی نے پوچھا "کیا تم نے لوگوں کی بات سن لی ہے؟" وہ یہ آخری فقرہ سنتے ہی یکایک انکار بولنے کی طاقت آگئی۔ اُس نے جواب دے کر پوچھا۔ "میں بھی یہی پوچھتی ہوں کہ اس خوفناک اور گھنے جنگل میں رات کے وقت تم کیا مشورہ کرتے ہو؟" اب تو یہ دوسرا شخص بھی حیرت میں آگیا اور کچھ دیر متفکر ہوا۔ مگر اسکو ایک تدبیر سوجھ گئی اور وہ کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ کر کچھ دور لے گیا۔ کپال کنڈلا کو غصہ آگیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فوراً اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اس نے کہا "فکر نہ کرو۔ میں مرد نہیں ہوں"

کپال کنڈلا کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ کچھ تو اسکی باتوں پر اعتبار آیا۔ اور کچھ نہیں وہ اسکے ساتھ کچھ دور گئی۔ پھر اُس بھیس بدلی ہوئی عورت نے جھک کر اسکے کان میں کہا۔ "جو بُرا مشورہ ہم لوگ کر رہے ہیں۔ کیا تم سننا چاہتی ہو؟ تمہارے بھی نسبت ہے"

کپال کنڈلا مفصل حالات جاننے کے لئے بیقرار ہو گئی۔ بیتابانہ انداز سے بولی "ہاں! میں سنوں گی"۔ دوسری عورت نے کہا "جبتک میں واپس نہ آؤں۔ تم یہاں ہی ٹھیری رہو"

وہ گھنٹہ میں چلی گئی۔ کپال کنڈلا کچھ دیر تک وہاں ہی بیٹھی رہی مگر جو بات اس نے سنی تھی۔ اس سے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ قید و بند کی تنہائی پسند یدہ نہیں ہوتی۔ وہ سوچنے لگی "یہ کون ہے؟ مجھے کیوں یہاں بیٹھا گیا؟ ممکن ہے بانیتی سے وہ یہاں مجھے بٹھا گیا ہو"

زیادہ دیر ہونے پر پھر وہ بیٹھ نہ سکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ قدم بڑھایا۔ گھر کی طرف ہولی اسوقت آسمان پر ایک بادل منڈلانے لگے۔ جو آگ جنگل میں جل رہی تھی۔ بجھنے لگی۔ اس نے قدم بڑھایا دیر کرنے میں خوف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ سمجھی وہی برہمن ہوگا۔ اسنے جنگل کی رہ چھوڑ دی۔ دوسری طرف آنکلی۔ یہاں اسقدر اندھیرا نہیں تھا۔ ایک دوسرے کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ تیزی سے چلنے لگی۔ آسمان اور بھی تاریک ہو گیا۔ گھر پاس ہی تھا۔ آندھی پانی کے آثار نمودار ہوئے۔ ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی کہ آندھی آگئی۔ اور پانی برسنے لگا بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ پھر تو موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ کپال کنڈلا گھر پہنچی۔ صحن سے گذر کر برآمدہ میں آئی۔ دروازہ جوں کا توں کھلا تھا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پیشتر اسنے دیکھا کہ صحن میں ایک سیاہ رنگ کا لمبا چوڑا آدمی کھڑا ہے۔ عین اسیوقت بجلی چمکی۔ اور بجلی کی چمک میں اسنے اس سیاہ فام آدمی میں کپالک کی صورت دیکھی۔ اور اُسے پہچان لیا۔"

تیسرا باب

خواب

کپال کنڈلا نے آہستہ آہستہ دروازہ بند کرلیا۔ اور خوابگاہ میں آکر پلنگ پر لیٹ گئی۔ انسان کا دل کسی طرح کا سمندر ہے۔ اسکی سطح پر جو لہریں اُٹھنے لگتی ہیں۔ انکا شمار کوئی کیونکر کرسکتا ہے؟۔ اسوقت اسکے دل میں جو خیالات کی لہریں اُمنڈنے لگیں۔ انکا بھی شمار کرنا مشکل تھا۔ اس رات کو نوکمار دلی تشویش کیوجہ سے کپال کنڈلا کے پاس نہیں آیا۔ وہ اکیلی سو رہی تھی۔ مگر نیند نہیں آئی۔ ہوا اور کھڑکیوں کی راہ سے اندھیرے میں وہ آسمان کو چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اسکو یاد تھا۔ کہ وہ کس طرح کپالک کے دھوکا دیکر چلی آئی ہے۔ نوکمار کا رسی سے جکڑا جانا وغیرہ واقعات سب اُسے یاد تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا۔ خوف سے کانپ اُٹھی۔ دل دہل گیا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آج رات کے بھی تمام واقعات کی خیالی تصویریں آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی بشیاما کا جڑی بوٹی کی خواہش کرنا۔ نوکمار کا منع کرنا۔ اور پھر سکا ناراض ہو کر جنگل کی طرف جانا۔ جنگل کی خوفناک تاریکی میں آگ کی روشنی دیکھنا۔ برہمن کا ملنا۔ ان کی باتیں سُننا یہ سب بھولنے والے واقعات نہ تھے۔ جب مشرق میں اُفق کی شعاعیں کچھ کچھ نظر آنے لگیں۔ اسوقت کپال کنڈلا کو نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتی کیا ہے۔ کہ کشتی میں بیٹھکر وہ سمندر میں جا رہی ہے کشتی آراستہ ہے اس پر بسنتی پھریرا لہرا رہا ہے اور ملاح پھولوں کی مالا پہنے ہوئے دلکش سروں میں رادھا شیام کا گیت گا رہے ہیں مغرب میں سورج اپنے طلائی کرنوں سے سمندر کی لہروں میں سونا بکھیر رہا ہے سمندر گویا ہنس رہا ہے۔ اور آسمان میں لہراتے ہوئے بادلوں کے عکس طلائی پانی کے اندر غوطے مار رہے ہیں سنہری بادل نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور کالی گھٹاؤں نے تمام آسمان گھیر لیا۔ سمندر میں اب پتہ نہیں لگتا کہ کشتی کدہر کو جا رہی ہے ملاحوں نے کشتی کا رخ پھیرا۔ خبر نہیں کس طرف لئے جا رہے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھ سکی گیت کا گانا موقوف کردیا بسنتی پھریرا خودبخود پانی میں گر پڑا اور سمندر کی لہروں سے ایک جٹا دھاری

آدمی نکلا۔ اس نے کپال کنڈلا کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور اُسے سمندر میں ڈبانے پر آمادہ ہؤا۔ اسوقت وہی برہمن کی صورت شکل کی عورت آکر پوچھنے لگی "بولو تمکو بچاؤں یا سمندر میں غرق کر دوں" کپال کنڈلا بول اُٹھی "ڈبا دو" برہمن کی شکل والی عورت نے کشتی چھوڑ دی۔ اور بولی "میں اور زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ میں پاتال میں داخل ہونگی" اور وہ اس کشتی میں پھینک کر پاتال کو چلی گئی۔

کپال کنڈلا کی آنکھ کھل گئی۔ تمام جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ دیکھا صبح ہو گئی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی۔ بسنت رُت کی روح افزا ہوائیں مستانہ انداز سے چل رہی تھیں۔ درختوں کی شاخوں پر پھدکتے ہوئے پرندے چہچہا رہے تھے۔ کھڑکی پر چند بیل دار بیلوں کی شاخیں لٹک رہی تھیں۔ پھولوں کی دلکش اور بھینی بھینی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ کپال نے ان کتاڑوں کو ہاتھ سے چھوا۔ اور ان کی بکھری ہوئی ٹہنیوں کو باندھنے لگی۔ یکایک اس میں سے ایک خط نکلا۔ کپال کنڈلا پڑھی لکھی تھی۔ پجاری نے اسکو بنگالی حروف سکھا دیئے تھے۔ خط کھولا اسمیں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"آج شام کے بعد کل رات والے نوجوان برہمن سے ملاقات کرنا تمہاری نسبت جو باتیں ہو رہی تھیں اُنہیں تم ایک ایک کر کے سن سکو گی۔"

چوتھا باب

غور و فکر

کپال کنڈلا اسدن شام تک غور و فکر میں ڈوبی ہوئی یہی سوچتی رہی کہ آیا اس برہمن کے بھیس والی عورت سے ملنا مناسب ہے یا نہیں۔ نیک، دیندار اور با عصمت عورت کا غیر مردوں کے ساتھ رات کے وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ اسکی فکر نہیں تھی۔ فکر صرف یہ تھی۔ کہ آیا مناسب ہے یا نہیں عورت عورت کے ساتھ ہر دو مرد کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ دونوں کو اپنے ہم جنس کے ساتھ ملنے ملانے کا حق حاصل ہے۔ مگر ابھی تک یہ اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہؤا تھا۔ کہ آیا وہ مرد ہے یا عورت۔ اور اگر عورت ہی ہے۔ تو ملنے میں ہرج ہی کیا ہے۔ یا نہیں۔ یہ فکر کی بات تھی۔ اور کپال کنڈلا صرف اسی

وجہ سے سوچ میں تھی پہلے وہ برہمن والی صورت ملی۔ پھر کپالک دکھائی دیا۔ اس کے بعد خواب دیکھا خیر نہیں کیا ہونیوالا ہے۔ یہ خیال تھا۔ اس برہمن صورت والی عورت سے اسکا تعلق ہے کیا کہیں وہ سوت تو نہیں ہے۔ اگر سوت ہے تو وہ بدی کرنے سے رُک نہیں سکتی۔ پھر اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ گفتگو میرے ہی متعلق ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے سوچا کہ ملنے کی وجہ سے بدی سے بچنے کی تدبیر کا ہاتھ آنا ناممکن ہے۔ یہ نوجوان کسی اور مرد کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا۔ یہ مرد تو کپالک کے سوا اور کوئی نہیں معلوم ہوتا۔ کسی کے مرنے اور مارنے کا تذکرہ پیش تھا۔ کیا میرے ہی مرنے مارنے کا منصوبہ باندھا جا رہا تھا۔ پھر خواب بھی دیکھا۔ خواب کی کیا تعبیر ہے۔ خواب میں اسی بھیس والی نے آکر بچانیکی خواہش ظاہر کی یہ کام بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اُس نے مجھ سے صاف صاف باتیں کرنے کی کوشش ظاہر کی ہے۔ خواب میں مجھے ڈرانا کیوں چاہتی۔ بھگوتی مائی میری مدد کریں گی۔ جو اس بھگوتی نے اس کی مشکل اختیار کی ہوگی ایسی حالت میں ملنے میں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔

کپال کنڈلا نہ تو تجربہ کار تھی۔ نہ ہی لکھی پڑھی تھی۔ وہ دنیا کے حالات سے ناواقف تھی۔ زیادہ دیر تک سوچنے پر بھی آخر کار بھگوتی بھگوانی کی مدد کے عقیدہ کے زور پر اس نے جانبازانہ پروانہ کی طرح شمع پر نثار ہو جانے کا ارادہ کیا۔

شام کے بعد گھر کے کام کاج سے فرصت پاکر اس نے جنگل کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ گھر کے چراغ کی روشنی خوب تیز کر کے وہ باہر نکلی۔ مگر باہر نکلتے ہی چراغ بجھ گیا۔

جاتے وقت کپال کنڈلا ایک بات بھول گئی اُسے یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ خط میں کس جگہ ملنے کی ہدایت ہے۔ اسلئے خط کا دوبارہ پڑھنا لازمی تھا۔ گھر میں واپس آئی جہاں خط رکھا تھا۔ تلاش کیا مگر وہ خط ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملا۔ یاد آیا کہ خط کو جوڑے کے اندر رکھ لیا تھا۔ بہت ڈھونڈا۔ مگر وہ نہیں ملا۔ اس نے دل میں کہا "اسی جگہ چلکر ملو۔ جہاں پہلے ملاقات ہوئی تھی۔

اور وہ بال بکھرے ہوئے جنگل کی طرف روانہ ہوئی۔"

پانچواں باب

گھر کا دروازہ

شام سے کچھ پہلے جب کپال کنڈلا اپنے گھر کے کام کاج میں ہمہ تن مصروف تھی۔ اسوقت وہ خط اُسکے جوڑے سے کھسک کر کہیں گر پڑا تھا۔ مگر اُسے قطعی معلوم نہیں ہوا۔ نوکمار نے دیکھ لیا۔ جب کپال کنڈلا کسی کام کیوجہ سے دوسری جگہ چلی گئی تو نوکمار اُسے باہر لاکر پڑھنے لگا۔ خط کی عبارت اسکے دل میں کانٹے کیطرح کھٹکنے لگی "جو بات کل سننا چاہتی تھیں۔ وہ آج سنو گی"؟ اسکا کیا مطلب ہے؟ بات کیا ہے؟ کیا میرا کوئی رقیب پیدا ہو گیا۔ جو شخص رات کے واقعہ سے واقف نہ ہو۔ وہ اس سے کیا سمجھ سکتا ہے۔ جب ستی شوہر کی لاش کے ساتھ جلنے کو ہوتی ہے۔ چتا میں آگ لگادی جاتی ہے پہلے دھواں ہر چہار طرف پھیل جاتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اسکے بعد لکڑی جلنے لگتی ہے۔ پہلے آگ کی دو ایک پتلی زبانیں چراغ کی لو کیطرح اس ستی کے جسم کو چاٹنے لگتی ہیں۔ پھر آگ کے شعلوں کی آواز بھڑکنے لگتی ہے۔ تمام جسم جلنے لگتا ہے۔ اور وہ جلکر خاک ہو جاتی ہے۔ نوکمار کی بھی یہی حالت تھی وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ پہلے شک ہوا پھر یقین آیا اور یقین کے شعلے بھڑکنے لگے۔ انسان کا دل ناگہانی خوشی یا رنج کے واقعات کی سنبھال نہیں کر سکتا۔ نوکمار کے دل کو پہلے دھوئیں نے گھیر لیا۔ پھر شعلہ زن آگ دل کو جلانے لگی۔ اور اس کا دل خود بخود جلکر خاک ہونے لگا۔ نوکمار نے پہلے بھی کپال کنڈلا کو اپنے کسی کسی خیال کا مخالف پایا تھا۔ منع کرنے پر وہ اپنے ارادہ کو شکست نہیں کرتی تھی جہاں جی میں آتا تھا۔ چلی جاتی تھی۔ اور جس کے ساتھ ملنے کی خواہش ہوتی تھی۔ اس سے مل آیا کرتی تھی۔ اسکے علاوہ جنگل میں گھومنا پھرنا اسکی فطرتی عادت تھی۔ اور لوگوں کو تو شک گذرتا تھا۔ مگر نوکمار اسکی بھولی وحشیانہ عادت سے خوب واقف تھا۔ اسوجہ سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ آج کے واقعہ کی نسبت کیا کہا جائے۔ شک ہے یا نہیں۔ کون جانے؟ فکر و تردد کی لہریں زور شور سے بحروں میں اُٹھنے لگیں۔ کچھ دیر تک

چپ چاپ بیٹھا ہوا وہ روتا رہا۔ رونے سے دل کی بے چینی کسی قدر گھٹ گئی۔ پھر سوچنے لگا کیا کرنا چاہیئے۔ آج کپال کنڈلا سے کچھ کہنا مناسب نہیں۔ جب شام جنگل کیطرف جائے۔ اسوقت سایہ کی طرح پیچھے پیچھے چلکر اسکی تمام حرکات دیکھونگا۔ دیکھ بھال کر اس زندگی کا خاتمہ کردونگا۔ کپال کنڈلا سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں خود ہی خودکشی کرلینا بہتر ہے ناقابل برداشت زندگی کے بوجھ کا اٹھانا کس کے اختیار میں ہے؟ یہ سوچ سمجھکر وہ شام کی انتظار میں ٹکٹکی لگائے ہوئے کھڑکی کیطرف دیکھتا رہا۔ کپال کنڈلا باہر نکلی مگر کچھ دور جاکر لوٹ آئی۔ ذرا دیر بعد پھر چل کھڑی ہوئی۔ اسوقت نوکمار بھی اسکے پیچھے ہولیا۔ تھوڑی دور پر جاکر دیکھا کہ ایک جسیم مرد اسکی راہ روکے کھڑا ہے۔

یہ کون ہے؟ کیوں کھڑا ہے؟ نوکمار نے جاننے کی ذرا بھی خواہش نہیں کی۔ اس نے اس کی طرف پھر کر دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ اسکی بیتابانہ نگاہیں صرف کپال کنڈلا پر تھیں۔ نوکمار نے اس کا ساتھ چھوڑنا چاہا۔ مگر وہ پھر بھی سدّ راہ ہوا۔ آخر اس نے اسکے سینہ پر زور سے ہات رکھکر ہٹانا چاہا۔ مگر ہٹا نہ سکا۔ ناکامیاب رہا۔ تب نوکمار نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ "تم کون ہو؟ ہٹ جاؤ میرا راستہ چھوڑ دو۔" "کیا تم مجھے بھول گئے؟"

جیسے سمندر کی طوفانی لہریں کسی کمزور کشتی سے ٹکرا کر اسے اپنی رو میں بہالیجاتی ہیں۔ اسیطرح یہ آواز نوکمار کے دل سے ٹکر کھانے لگی۔ اس نے سر اٹھاکر تحیرانہ نگاہوں سے دیکھا۔ بیٹا رہا ری کپالی سامنے کھڑا ہے۔ نوکمار چونک پڑا مگر ڈرا نہیں اسکے چہرے پر یکایک اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بے اختیار بول اٹھا۔ "کیا کپال کنڈلا تم سے ملنے جا رہی تھی؟" کپالی نے کہا "ابھی نہیں۔"

امیدوں کا چراغ روشن ہوتے ہی ہوا کے ذرا سے جھونکے سے دم کے دم میں بجھ گیا۔ نوکمار مایوسانہ انداز سے بولا۔ "اچھا تو تم میرا راستہ چھوڑ دو۔"

کپالی "راستہ چھوڑتا ہوں۔ مگر مجھے تم سے کچھ کہنا ہے پہلے سن لو۔"

نوکمار "تمہیں مجھ سے کیا کہنا ہے؟ کیا تم میری جان لینے آئے ہو؟ جان لیلو اس مرتبہ میں نہ روکونگا۔ تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ افسوس ہے میں نے کیوں اپنا حقیر جسم دیوی کی نذر نہ کیا جس نے مجھے بچایا تھا۔ اسی نے مجھے برباد کیا۔ میری بات پر یقین کرو میں ابھی آکر قربان ہونے کیلئے اپنے آپ کو تمہارے حوالا کردونگا۔"

کپالی :- میں تمہاری جان لینے نہیں آیا ہوں - بھگوتی کی ایسی خواہش نہیں ہے - میں جو کہنے آیا ہوں اس پر یقین کر کے اِسے سونگھر کے اندر چلیے - یہ بات چیت کرنے کی جگہ نہیں ہے "

نوکمار :- ابھی نہیں کسی اور جگہ سنونگا - تم یہاں ٹھہرے رہو - مجھے کچھ ضروری کام ہے - اُسے انجام دیکر میں ابھی آتا ہوں "

کپالی :- بیٹے! میں سب جانتا ہوں تم اس پاپی کے پیچھے جاؤگے میں جانتا ہوں وہ کہاں جائیگی؟ میں تمہیں اپنے ساتھ وہاں لیچلونگا - جو دیکھنا چاہتے ہو - ابھی دکھاؤنگا - اسوقت میری بات سنو - کسی قسم کا خوف نہ کرو "

نوکمار :- اب مجھے تمہارا خوف نہیں ہے - آؤ "

یہ کہکر نوکمار کپالی کو گھر کے اندر لیگیا اُسے آسن پر بٹھاکر آپ بھی بیٹھ گیا - بولا " کہو کیا کہتے ہو؟ "

چھٹا باب

کپالی بیٹھ گیا - نوکمار کو اپنے دونوں بازو دکھائے - وہ ٹوٹے ہوئے تھے - ناظرین کو یاد ہوگا کہ رات کیوقت جب نوکمار کپال کنڈلا کے ساتھ سمندر کے کنارے سے بھاگا تھا - اُسی رات کو کپالی انکو گرفتار کرنیکے لئے سمندر کیطرف گیا تھا - ریت کے ٹیلے پر سے گر پڑا ہاتھ ٹوٹ گئے اُسی طرح بیان بھی - کپالی نے تمام قصہ کہہ سنایا - بات میں اب طاقت نہیں رہی لکڑی تک کو اٹھانا غیر ممکن ہے گرتے وقت مجھے ہاتھوں کے ٹوٹنے کا علم نہیں ہوا - میں بیہوش ہوگیا تھا - بہت دیر تک بیحس و حرکت پڑا رہا - جب ہوش آیا تمام بدن میں ایک جگہ خراش سا درد معلوم ہوا - وہ رات اور ایک دن تک نہ اُٹھ سکا - آخری رات کو میں نے ایک خواب دیکھا تھا - جسکے خوف سے میرے بدن کا ایک ایک رونگٹہ جیسے کھڑا ہوگیا - بھگوتی اپنی غضب ناک اور خشمگین نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی - ابروؤں میں بل تھے - تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں کہتی تھیں پاپی! تیرا چت شدھ نہیں تھا - یہ پوجا میں خرابی ہونیکا باعث ہے تو نے خواہشاتِ نفسانی میں پڑ کر اس کنواری کے لہو سے میری پوجا بھرشٹ کرنی - میں اب تیری پوجا کبھی قبول نہ کرونگی - یہ دیوی کے

قدموں پر گرا۔ دیوی نے خوش ہو کر کہا۔ تم پرشچت کرو۔ ابھی کپال کنڈلا کا بلدان مجھے چڑھاؤ۔ جبتک ایسا نہ کرو میری پوجا نہ کرو۔ میں کتنے دنوں تک بیمار رہا۔ یہ نہیں کہہ سکتا اور نہ اس کی ضرورت ہے صحت پاکر میں دیوی کا حکم پورا کرنے کی فکر میں سرگرم رہنے لگا۔ مگر ہاتھ کمزور ہیں۔ لکڑی تک نہیں اٹھا سکتا۔ اسکے لئے کسی کی مدد کی ضرورت لاحق ہوئی۔ مگر دھرماتما آدمی کم ملتے ہیں۔ ملک کا راجہ یون ہے۔ راجہ کے خوف سے کوئی مدد کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ یہ بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے۔ میں بھوانی کا حکم پورا کرنے کے ناقابل ہوں۔ صرف وال سے تنتر سدھی کی کریا کرتا رہتا ہوں۔ کل رات کو قریب کے جنگل میں جہاں میں رہتا ہوں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کپال کنڈلا کی ملاقات ایک نوجوان برہمن سے ہوئی ہے وہ آج بھی اسی سے ملنے جارہی ہے۔ دیکھنا منظور ہو تو میرے ساتھ چلو میں تمہیں دکھا دونگا۔ کپال کنڈلا اس قابل ہے کہ فوراً قتل کردی جائے میں بھوانی کے حکم سے اسے ذبح کرونگا۔ اس نے تمہارے ساتھ بیوفائی کی ہے تمکو بھی اُسکے قتل میں شریک ہونا چاہیئے۔ اس بیوفا عورت کو پکڑ کر میرے حوالہ کردو۔ سنگیہ کے استھان پر چلو اپنے ہاتھ سے اسکو ذبح کرو۔ ایسا کرنے سے ماتا بھگوتی تمہارے قصور معاف کردیگی۔ اور اس نیک کام کا تمہیں بہت بڑا ثواب ملیگا۔ بیوفا عورت سزا کے قابل ہے۔ اس سے ہر طرح بدلہ لینا مناسب ہے۔

اتنا کہکر کپالی خاموش ہوگیا۔ نوکمار نے کچھ جواب نہیں دیا۔ تب کپالی پھر مخاطب ہوا۔ بیٹا چلو۔ میں تمہیں دکھا دوں۔ نوکمار کا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا تھا۔ اٹھا اور کپالی کے پیچھے چل کھڑا ہوا۔

ساتواں باب

سوت کی باتیں

گھر سے نکلکر کپال کنڈلا جنگل میں گھسی۔ وہاں برہمن کو دیکھا اگر دن کا وقت ہوتا۔ تو جان جاتی کہ یہ دکھی ہے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ مگر رات کو کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا یہاں کپالی آتا ہوگا ٹھیرنا مصلحت نہیں ہے۔ دوسری جگہ چلو۔ جنگل میں ایک صاف ستھری جگہ تھی۔ اسکے چاروں طرف سر بفلک درخت کھڑے تھے۔ انہیں کے پاس سے ایک راستہ بھی گیا تھا۔ برہمن نے

بھیس والی عورت کپال کنڈلا کو وہاں لیگئی۔ وہ دونوں زمین پر بیٹھ گئیں۔ پھر اُسنے کہا "پہلے میرا حال سنو۔ وہ کہاں تک اعتبار کے قابل ہے تم خود سمجھ جاؤ گی۔ جب تم اپنے شوہر کے ساتھ آرہی تھیں۔ راہ میں تم ایک مسلمانی عورت سے ملی تھیں۔ کیا تمہیں یاد ہے؟"

کپال کنڈلا: "جس سے مجھ سے بغلگیر ہوئی تھی؟"

عورت: "ہاں! میں وہی ہوں"۔

کپال کنڈلا ڈری اور متحیرانہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔ لطف النساء اس کو خوفزدہ دیکھ کر بولی "اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ میں تمہاری سوت ہوں"۔

کپال کنڈلا: "کیونکر؟"

تب لطف النساء نے پرانی باتیں سنائیں خاندان کے مسلمان ہو جانیکا حال بتایا۔ آگرہ میں جہانگیر اور مہر النساء سے ملنے کے واقعات بھیس بدل کر آنا ہوم کرنیوالے سے ملنا یہ تمام حالات بالتفصیل بیان کئے۔

کپال کنڈلا: "بھیس بدلکر میرے گھر میں کیوں گئی تھیں؟"

لطف النساء: "تمکو تمہارے شوہر سے جدا کرنے کے لئے!"

کپال کنڈلا: "اسمیں تمہیں کامیابی کیونکر ہوتی؟"

لطف النساء: "تمہارے شوہر کو تمہاری طرف سے بدظن کر دیتی۔ مگر اب اس سے کوئی غرض نہیں رہی۔ وہ راہ میں نے چھوڑ دی ہے۔ اسوقت اگر تم میری صلاح مانو تو تمہاری مراد بر آئے گی اور خوش ہوگی"۔

کپال کنڈلا: "ہوم کرنیکے لئے تم نے کس کا نام سنا ہے؟"

لطف النساء: "اسکا نام کپالک۔ تمہاری بہتری یا بدی کے لئے ہوم کرنا چاہتے ہیں اس کو مفصل طور پر جاننے کے لئے میں اسکے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جبتک کریا ختم نہیں ہوئی میں بیٹھی رہی تمہارا نام لے لے کر وہ ہوم کرتے تھے۔ میں نے پوچھا اور بات چیت کرنے پر جان گئی۔ کہ وہ تمہیں مارنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا میرا بھی یہی مقصد ہے۔ اور میں نے مدد دینے کی خواہش ظاہر کی مشورہ کے لئے وہ مجھے کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے بتایا کہ تمکو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گو

میں نے شروع زندگی سے پاپ ہی کیا ہے مگر اسقدر اچھے آپکو پاپی نہیں سمجھتی کہ کسی بے قصور کی جان لوں۔ اسیوقت تم وہاں پہنچ گئیں۔ تم نے بھی وہ باتیں سنی ہونگی؟"

کپال کنڈلا :- "ہاں میں نے سن لیا تھا"

لطف النساء :- "کپالی نے تجھے نادان سمجھکر کچھ اپدیش دینا چاہا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ تمہیں اس سے واقف کر دوں یہ سبب تھا کہ ایک کنارے میں تمکو ٹھیرا آئی تھی"

کپال کنڈلا :- "پھر واپس کیوں نہیں آئیں؟"

لطف النساء :- "بات چیت میں دیر ہوگئی تھی۔ اور تم ہی خود سمجھ سکتی ہو . . . . . . "

کپال کنڈلا :- "کپالی ہی نے تجھے پالا پوسا تھا"

لطف النساء :- "ٹھیک ہے کپالی نے سمندر کے کنارے تمہارا ملنا۔ نوکمار کا آنا۔ اسکے ساتھ تمہارا بھاگنا۔ یہ سب مجھے سنایا ہے۔ تمکو یہ نہیں معلوم کہ بعد میں کیا ہوا؟ تو سنو کپالی تمہاری تلاش میں نکلا۔ گر پڑا۔ خواب میں دیوی نے تمہارے مارنے کا حکم دیا ہے"

کپال کنڈلا کو یہ باتیں سنکر سخت تعجب ہوا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی تمام جسم میں بجلی کا سا اثر پیدا ہوگیا۔

لطف النساء :- "یہ کیگودی کے حکم ماننے کا عہد کر چکے ہیں۔ ہاتھ میں طاقت نہیں ہے۔ دوسرے کی مدد لینا چاہتے ہیں مجھے برہمن سمجھکر مدد کی درخواست کی میں ابتک راضی نہیں ہوئی۔ اور نہ رضامند ہو سکتی ہوں تم سے ملنے کا صرف یہ سبب ہے یہ کام میں نے بغیر کسی غرض کے نہیں کیا میں تمہاری جان بچاتی ہوں تم بھی میرا کچھ کام کر دو"

کپال کنڈلا :- "میں کیا کروں؟"

لطف النساء :- "شوہر کو چھوڑ دو"

کپال کنڈلا کے پاؤں کے نیچے سے جیسے زمین کھسک گئی۔ اسکی حیرت کا ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ ذرا دیر خاموش رہکر بولی۔ "شوہر کو چھوڑکر کہاں چلی جاؤں؟"

لطف النساء :- "غیر ملک میں بہت دور۔ وہاں میں تمہارا انتظام کر دونگی۔ نوکر چاکر سب تمہاری خدمت کرینگے۔ اور تم رانی کی طرح رہو گی"

کپال کنڈلا پھر سوچنے لگی۔ آسمان اور زمین میں کہیں بہتری کی صورت نظر نہ آئی۔ نوکمار بھی

نہ دکھائی دیا۔ ایسی حالت میں وہ کیوں لطف النساء کی خوشی میں خلل انداز ہو؟"

کپال کنڈلا نے کہا "تم نے مجھ پر احسان کیا ہے یہ میں نہیں سمجھ سکتی مگر ان نوکر چاکر و ہیرا دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے میں تمہاری خوشی میں خلل انداز نہ ہوں گی تمہارا مقصد پورا ہوگا مجھے تمہیں میرا پتہ بھی نہیں لگیگا میں شروع ہی سے جنگلی اور وحشی ہوں جہاں سے آئی تھی وہیں پھر چلی جاؤنگی جنگل ہی میں رہونگی" لطف النسا کو تعجب ہوا۔ اسے کیا خیال تھا۔ کہ وہ اس آسانی کیساتھ اسکی درخواست منظور کر لے گی۔ اسے بھول کر بھی ایسی امید نہیں تھی مسرت آمیز لہجہ میں بولی "تمکو خدا خوش رکھے۔ تم نے زندگی دی ہے کل میری لونڈی تمہارے پاس آئیگی۔ بردوان میں ایک معزز خاتون رہتی ہے۔ وہ تمہاری مدد کریگی۔"

لطف النساء اور کپال کنڈلا اپنی باتوں میں مصروف تھیں کسی اور کا خیال نہیں تھا۔ نوکمار اور کپالی دونوں راہ میں کھڑے تھے۔ انہوں نے انکو نہیں دیکھا۔ ان دونوں نے نہیں صرف دیکھا ہی تھا۔ مگر بدقسمتی سے انکی بات نہ سن سکے۔ اگر انسان کی نظر دوربین ہوتی تو اسکو اسقدر دکھ نہ ہوتا۔ اور یہ دنیا سکھ کی جگہ بنگئی ہوتی۔ نوکمار نے دیکھا کہ کپال کنڈلا کے بال بکھرے ہوئے ہیں سمجھ گئے کہ اس نے بیوفائی کی اور اس ظاہر برہمن کی پیٹھ پر ہاتھ دیئے ہوئے پاس ہی بیٹھی ہے۔"

کپال کے بال بہت بڑے تھے۔ وہ لطف النساء کی پیٹھ پر لہرا رہے تھے۔ یہ نظارہ دیکھکر نوکمار زمین پر بیٹھ گیا۔ اور فکر میں غوطہ زن ہو گیا۔"

کپالی نے کہا "دیکھو تم کمزور ہوگئے ہو۔ لو یہ دوا پی لو بھوانی کا پرساد ہے۔ ابھی بل آ جائیگا"

کپالی نے بوتل نوکمار کے منہ سے لگادی اس نے پی لیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ شراب ہے۔ پیتے ہی اسمیں طاقت آگئی ادھر لطف النساء نے پہلی باتوں کے موافق کپال کنڈلا سے کہا "بہن! تم نے جو کام کیا ہے۔ اسکے بدلہ دینے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے میں زندگی بھر تمہیں یاد رکھونگی۔ تم نے ایک غریب کو مالا مال کر دیا میں اپنے جوڑے میں چھپا کر ایک انگوٹھی لائی ہوں۔ یہ لے لو۔ اور اسکے دیکھنے سے کبھی کبھی تمہیں اپنی مسلمان بہن کی یاد آتی رہے گی۔ اگر شوہر پوچھے کہ یہ انگوٹھی کہاں سے ملی ہے۔ تو کہدینا۔ لطف النسا نے دی ہے۔"

لطف النساء نے اسے انگوٹھی دیدی۔ کپال کنڈلا نے لے لی۔ نوکمار نے اسے دیکھ لیا شراب نے اپنا پورا پورا رنگ جما دیا تھا۔ اور وہ مست و بیخود ہو رہا تھا۔

کپال کنڈلا اور لطف النسا دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو کر گھر جانے لگیں اس وقت نوکمار اور کپالی دونوں کپال کنڈلا کے پکڑنے پر آمادہ ہو گئے۔"

آٹھواں باب

گھر کی طرف

کپال کنڈلا آہستہ آہستہ گھر کی طرف قدم بڑھاتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ کسی خیال میں محو تھی۔ لطف النساء کی باتیں دل میں گہرا اثر کر گئیں اور وہ اپنی قربانی کیلئے تیار تھی کس کیلئے! لطف النسا کے لئے نہیں!! وہ تانترک کی اولاد تھی۔ بھگوتی بھگوانی کا عقیدہ مضبوط تھا۔ تانترک دیوی بھگت ہوتے ہیں۔ کالی مائی کے خوش کرنے کے لئے وہ سب کچھ نثار کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ کپال کنڈلا بھی اسی عقیدہ کے زیر اثر۔ کالی کے قدموں پر کالی کیلئے اپنے آپکو نثار کرنا چاہتی تھی۔ بھگتی تو ہے۔ بھگتی چاہے کسی قسم کی ہو۔ کپال کنڈلا! مجسم قربانی تھی۔ کپالی کی طرح کپال کنڈلا کو بھی کالی پوجا کے تانترک اصول کا علم نہیں تھا۔ وہ رات دن بھگوتی کی بھگتی کی چرچا سنتی آئی تھی۔ بھگوتی کیلئے مرنے میں وہ اپنی خوش نصیبی سمجھتی تھی۔ کالی پوجا کی زمین خون سے ہمیشہ رنگین رہتی تھی۔ یہ اسے پسند نہیں تھا۔ کیوں؟ کیونکہ دوسرے کے سر کا خیال آتا تھا۔ مگر اور طرح سے بھگتی میں کمی نہیں تھی۔ وہ آپ بھیری چکر کے لئے زندگی قربان کرنے کو راضی تھی خیال ہی تو ہے جو دل میں سما گیا۔ پھر کپال کنڈلا کیوں اس خیال کے زیر اثر نہ ہوتی! ہم تم حیات دنیا نہیں جانتے۔ اس دنیا کے سکھ کے خواہشمند رہتے ہیں غصہ کی وجہ سے خواہ کچھ بھی کہیں دراصل ہم دنیاوی سکھوں کی ہی چاہ رکھتے ہیں سکھ کی زبردست آرزو سب کو ہے دکھ کوئی بھی نہیں چاہتا جب سکھ نہیں ملتا تب گھبراتے ہیں۔ اور زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے۔ دکھ کا سبب مزاج اور طبیعت کے خلاف کام کا ہونا ہے ورنہ ہر جگہ سکھ ہی سکھ ہے۔ ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ایک اور سبب ہے ہم سب تعلقات کی زنجیر سے جکڑے ہوئے رہتے ہیں۔ کپال کنڈلا کو اس زنجیر سے جکڑا تھا۔ پھر اُسے مرنے سے کون روکتا؟ جسکو کسی سے گہرا تعلق نہیں ہے۔ اسکو آزادی ہے۔ وہ جو چاہے کرے کرنے

وہ مذہب کے نام پر آئندہ سکھ کے خیال سے اپنے آپ کو قربان بھی کرسکتا ہے کپال کنڈلا اونچی طبیعت کی عورت تھی بلند نظر کو نیچے کیطرف دیکھنے کے لئے کون مجبور کر سکتا ہے؟"

کپال کنڈلا نے اپنے دل سے پوچھا "کیوں یہ جسم جگدمبا بھوانی کے نذر نہ کیا جائے۔ عناصر کے جسم کو لیکر کیا ہوگا۔ عناصر کس کام کے ہیں، یہ بھی قید و بند کے سامان ہیں۔"

کپال کنڈلا سر جھکا کر چلنے لگی۔ جو لوگ اپنے کسی خیال میں محو ہوتے ہیں۔ انکو آس پاس اور ارد گرد کے حالات و واقعات اور اثرات نہیں ستاتے۔ دل یکسو رہتا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھی۔ آواز آئی "وتس! میں راہ دکھاتا ہوں" کپال کنڈلا نے آواز سنکر سر اٹھایا۔ آسمان کو دیکھا وہ سرخی مجسم نظر آیا۔ ستارے منڈ مال کیطرح نظر آنے لگے یہ صرف اسکا خیال ہی خیال تھا۔ وہ مرنے کو تیار تھی خون کا خیال دل پر حاوی تھا۔ "دھرتی خون کی پیاسی ہے۔" اسکا عقیدہ تھا۔ گویا وہ اُسے پکار رہی تھی۔ اور یہ جانیکو تیار تھی۔"

وہ سر اٹھا کر چلی۔ نوکمار اور کپالی کو کیا خبر کہ وہ کس خیال میں محو ہے۔ نوکمار کے دل میں حسد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اُس نے کہا "کپالی!" اُس نے جواب دیا "کیا؟" اس نے کہا "پیاس ہے۔ پانی دے۔"

اس نے شراب پلادی۔"

نوکمار "اب کیا دیر ہے؟"

کپالی "دیر نہیں ہے"

نوکمار نے پکارا "کپال کنڈلا!"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ کون پکارتا ہے؟ کھڑی ہوگئی۔ دونوں پاس آگئے۔ وہ پہلے پہچان نہ سکی۔ پوچھا "کیا تم جم کے دوت ہو؟" جواب ملا "نہیں" پھر اس نے کپالی کو پہچان لیا۔ بولی "پتاجی! کیا مجھے بلدان دینے آئے ہو؟" نوکمار نے کپال کنڈلا کا ہات پکڑ لیا۔ کپالی نے کہا "وتس! میرے ساتھ آؤ" اور وہ شمشان کیطرف چلا آگے وہ۔ پیچھے پیچھے یہ!

نوکمار نے آسمان پر نظر ڈالی۔ اسکے خیال میں کالی آسمان پر کھیل رہی تھی۔ ستارے اسکے ہنسنے والے منہ کے دانت کی شکل میں نظر آنے لگے۔ ایک ایک طرف ستاروں کی سیدھی قطار ترشول کی شکل کی نظر آئی۔ نوکمار اپنی بیوی کا ہات پکڑے ہوئے چلا۔"

نواں باب

شمشان بھومی

چاند غروب ہوگیا۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی۔ آسمان پر چند شوخ ستارے گھور رہے تھے۔ کپالی نے جہاں پوجا کی جگہ مقرر کی تھی۔ وہاں کپال کنڈلا کو لے گیا۔ گنگا کے کنارے ایک ریتی تھی۔ اسی سے ملا ہوا ایک ریتیلا میدان تھا۔ وہی شمشان یعنی مُردہ جلانے کی جگہ تھی۔ یہ ریتیلی زمین جوار کے وقت بھی خشک نہیں ہوتی تھی۔ مگر وہاں پانی نہیں تھا۔ ریت اونچی تھی۔ پانی پینے کے لئے نیچے اترنا پڑتا تھا۔ اس کے سوا ہوا کے جھونکے اور لہروں کے تھپیڑوں سے کنارے کی زمین ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے پانی میں گرتی تھی۔ پوجا کی جگہ کوئی چراغ نہیں تھا۔ صرف لکڑی جل رہی تھی شمشان کی جگہ اور بھی خوفناک تھی۔ پاس ہی پوجا، ہوم اور بلیدان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ تاریکی زمین کے سینہ پر سوار ہوگئی تھی۔ اور ہوا کے گھوڑے اس پر تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ آدمیوں کی لاش پر زندگی بسر کرنے والے جانور یہاں تنہا رہتے تھے۔

کپالی نے نوکمار اور کپال کنڈلا کو آسن پر بٹھایا۔ نوکمار سے کہا "اسے اشنان کرالاؤ" نوکمار کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترا۔ زمین کے ٹکڑے پاؤں کے صدمے سے نیچے گرنے لگے۔ نوکمار کا پاؤں شمشان کے کلس سے ٹکرا کر کھنک گیا وہ مٹی کا تھا۔ ٹوٹ گیا پاس ہی ایک لاش پڑی تھی۔ بدنصیب مُردہ کا کسی نے سنسکار تک نہیں کیا تھا۔ اتنے میں اس لاش پر پڑے۔ کپال کنڈلا اسے لانگھ گئی۔ نوکمار اس پر سے پھلانگ کر چلا۔ چاروں طرف مردم خور جانور گھوم پھر رہے تھے۔ آدمیوں کی آہٹ پاکر وہ شور مچانے لگے کوئی کاٹنے کے لئے دوڑا کوئی بھاگنے لگا۔ کپال کنڈلا نے دیکھا۔ نوکمار کا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ اور اس پر اسوقت بیخودی طاری ہے۔

کپال کنڈلا نے پوچھا "ڈرتے کیوں ہو؟"

نوکمار کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ متانت آمیز لہجہ میں بولا "مرن مٹی! ڈرنا کیسا؟ میں ڈرتا نہیں ہوں۔"

کپال کنڈلا: "پھر کانپتے کیوں ہو؟"

یہ سوال ایسے لہجہ میں کیا گیا تھا۔ جو کسی ہمدرد اور دوسرے کی حالت پر ترس کھائی ہوئی دردرس عورت کی زبان ہی سے مخصوص ہے۔ پگھلی ہوئی زبان کی تاثیر عجیب و غریب اثر رکھتی ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ایسی تاریک رات میں کپال کنڈلا کے منہ سے ایسی آواز نکلے گی؟

نوکمار "ڈرتا نہیں رو نہیں سکتا" غصہ سے تھر تھر کانپ رہا ہوں"

کپال کنڈلا نے پھر اسی لہجہ میں پوچھا۔ روؤ گے کیوں۔ رونے کی کیا بات ہے؟

نوکمار "مرن منی! کیا تم جاننا چاہتی ہو اتنا کہتے کہتے دفور اشک نے زبان پر خاموشی کی ایک مہر سی لگا دی۔ ذرا دلکو مضبوط کرکے حسرت آمیز لہجہ میں بولا "تم تو کسی کا حسن دیکھکر کبھی از خود رفتہ نہیں ہوئیں" یہ کہتے کہتے پھر نوکمار کا گلا بھر آیا۔ بولا "تم اپنے کسی پیارے کی لاش کو شمشان بھومی میں پھینکنے نہیں آئی ہو" آنسوؤں کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ اور وہ پانی سب کچھ اپنی پر جوش روانی میں بہا لے گیا۔ ضبط کا لنگر اکھڑ گیا۔ خود فراموشی کا عالم طاری ہوگیا۔ اور نوکمار روتے روتے ٹھوکر کھا کر کپال کنڈلا کے پیروں کے پاس گر پڑا۔ بھرائی ہوئی آواز سے بولا "مرن منی! کپال کنڈلا سے میری حفاظت کر تیرے قدموں پر گرا ہوں۔ ایک مرتبہ کہدے کہ تو بیوفا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ اور میں تجھے ان آنکھوں کی تپلیوں پر بٹھا کر گھر لے چلوں گا۔ ایشور کے لئے اپنے اوپر ایسا ظلم نہ کر" کپال کنڈلا پر ایک عجیب و غریب حالت طاری تھی اس نے نوکمار کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھایا۔ اور بھرائی ہوئی آواز سے کہا "یہ بات تم نے پہلے نہیں پوچھی تھی؟" جسوقت یہ باتیں ہو رہی تھیں دونوں پانی کے کنارے تھے۔ کپال کنڈلا ندی کی طرف پیٹھ کرکے کھڑی تھی۔ اسکے ایک ہی قدم کے فاصلہ پر پانی تھا۔ جوار کا وقت آگیا تھا۔ اُسنے پھر کہا تم نے تو پوچھا نہیں تھا؟ نوکمار نے بیخودی کے لہجہ میں کہا "میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں تھے۔ پوچھتا کیسے مرن منی! کہو! کہو!! مجھے بچا لو۔ میری جان جا رہی ہے۔ گھر چلو!!"

کپال کنڈلا: "جو پوچھو وہ بتاؤں۔ آج تم نے جس برہمن کو دیکھا تھا۔ وہ پدماوتی تھی۔ میں بیوفا نہیں ہوں۔ یقین مانو مجھ میں بیوفائی کی جھلک بھی نہیں ہے۔ مگر اب گھر نہ چلونگی بھوانی بھگوتی کے چرنوں میں اپنے آپ کو ارپن کرنے آئی ہوں۔ دیوی پر قربان ہو جاؤنگی۔

تم گھر جاؤ میں مرونگی۔ میرے لئے رونا نہیں۔"

نوکمار بولا۔ نہیں مرنڈانی۔ نہیں ایسی بات نہ کہو۔ تمہارے رو برو کھڑا رہ کر مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں چلو میرے سامنے چلو جب تک زندہ رہونگا۔ تمہاری پرستش کرتا رہونگا۔ تم میرے دل سے کسی طرح نکل نہیں سکتیں۔ نوکمار نے کپال کنڈلا کو اپنے سینہ سے لگانا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آئی جوار کی لہریں آئیں زمین کھسک گئی۔ اور وہ بھی لہروں کی زد میں آگئی۔ ایک جگر خراش دھماکے کی آواز سنکر نوکمار نے کپال کنڈلا کو ڈوبتے دیکھکر وہ بھی فوراً ندی کی اس پُر شور روانی میں کود پڑا۔ کپال کنڈلا کو ڈھونڈھنے کے لئے اتھاہ پانی میں چلا گیا۔ وہ نہیں ملی۔ وہ آپ بھی باہر نہیں نکلا۔ گنگا کی اس پُر شور روانی میں وہ دونوں کہاں چلے گئے۔ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ ختم شد

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور مرحوم کے مایۂ ناز شاہکار

میرا بچپن ۔ ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور کے خود اپنے قلم سے لکھا ہوا ان کا بچپن ۔ زبان بچوں تک کے سمجھنے کے قابل اور خیالات بڑوں کی کشش کا باعث قیمت عہ

گیتانجلی معہ تشریح ۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور مرحوم کی یہ وہ لاجواب و بے نظیر لاثانی تصنیف جس پر مصنف مرحوم کو ایک لاکھ بیس ہزار کا نوبل پرائز ملا تھا ۔ ٹیگور فلاسفی کے ماہر پروفیسر نرمل چندر جی نے اس میں گیتانجلی کے اصلی مفہوم کو سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے ۔ قیمت فی جلد عہ

سرگوشیاں ۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ایک چھوٹی سی مگر لاجواب کتاب کا بے نظیر ترجمہ ہے مترجم جناب جمیل احمد صاحب کی زور قلم کا نتیجہ ہے ۔ قیمت ۱۲/

ماسٹر جی ۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک بہترین افسانہ مترجمہ احسان بی ۔ اے ۔ قیمت صرف آٹھ آنے

تاج ۔ یہ بھی ایک اسٹریکل افسانہ ہے مترجمہ احسان بی ۔ اے ۔ قیمت صرف آٹھ آنے ۔

شوخیاں ۔ ڈاکٹر صاحب کے مقبول عام ناول چار ادھیائے کا دلکش اور سلیس ترجمہ از احسان بی ۔ اے ۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۔ عہ

خاموش حسن ۔ ٹاگور کی دس رنگین اور دلکش کہانیوں کا مجموعہ ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۔

ڈاک گھر ۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا وہ زندۂ جاوید ڈرامہ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے تمام بڑے بڑے ملکوں میں بھی اسٹیج پر کھیلا جا چکا ہے ۔ ترجمہ جناب جمیل احمد صاحب کنجاہی پوری ایم اے نے کیا ہے ۔ قیمت مجلد کتاب صرف ۱۲/

کون کس کا ۔ ۔ ۔ ۔ انسانی زندگی کی ایک دلچسپ اور دردناک ٹریجڈی ۔ ترجمہ از احسان بی ۔ اے ۔ (زیر طبع) قیمت صرف ایک روپیہ بارہ آنہ ۱۲/ عہ

پھول اور کلیاں ۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے پچیس ۲۵ بہترین پھول اور کلیوں کا گلدستہ ہے ۔ ان افسانوں کا ترجمہ جناب میر قطام صاحب فیروز پوری نے کیا ہے قیمت صرف دو روپیہ عہ

کا ملنے کا پتہ نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور